جون 2014، قیمت 10 ₹

ماہنامہ بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

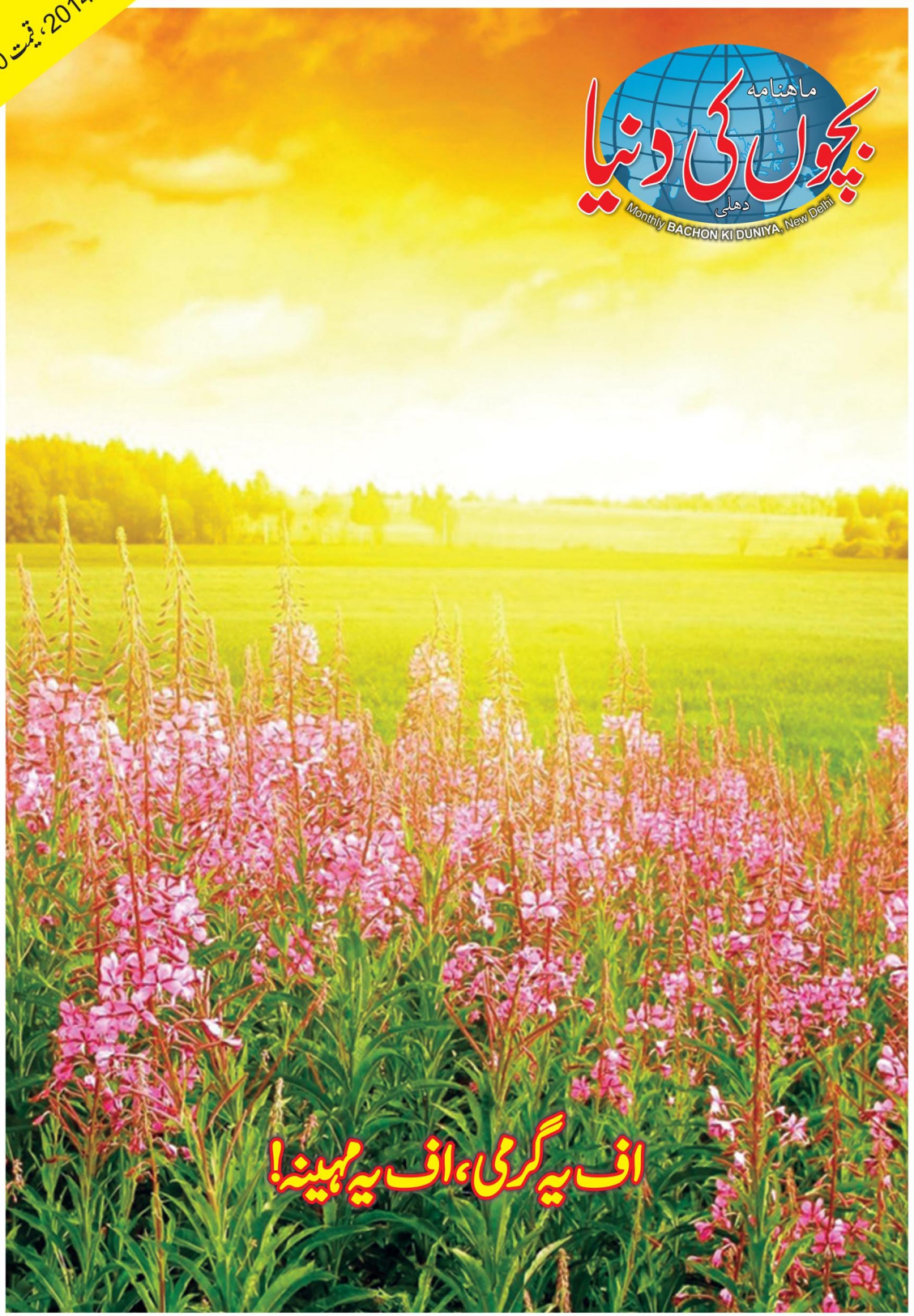

اف یہ گرمی، اف یہ مہینہ!

ماہنامہ
بچوں کی دنیا
دہلی
Monthly BACHON Ki DUNIYA, New Delhi
جلد:2 شمارہ:6 جون 2014

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	2
نظم	گرمی کے دن	مختار ٹونکی	3
دل چسپ خبریں	دنیا ایک عجائب خانہ	ادارہ	4
مضمون	عظیم ہاتھی 'میمتھ'	ناظمہ پروین	8
کہانیاں	پہلا روزہ	زیب النسا حیا	11
	اکبر بیربل کے دل چسپ قصے	سلطان احمد ساحل	15
	بابا کا تحفہ	رضا جعفری	20
	بکری کا بچہ	وکیل نجیب	22
	پیار کے رنگ	بابو آر کے	26
	تازہ چھیچھڑے	محمد داؤد	28
	سونے کی اینٹ	ساحر کلیم	30
	سچی خوشی	گلشن آرا	32
	لومڑی اور بلّے شاہ	لیو ٹالسٹائی/ ترجمہ: یوسف انصاری	33
	اور کچھوا سو گیا!	راحت رَوِش	38
نظم	گرمی آئی	حسن رضا	39
مضمون کہانی	مولانا رومی اور دس حکایتیں	محمد افضل خاں	40
نظم	تعلیم	نور آفاق وانمباڑی	44
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ 'بچوں کی دنیا'	ادارہ	45
نظم	بلّی کا بچّہ	مہدی پرتاپ گڑھی	47
نظم	زندگی ہے پتنگ	اظہر حیدری	48
قسط وار	فسانۂ عجائب 3	رجب علی بیگ سرور	49
نانی کا صندوق	رمضان کا مہینہ	شاداب مینائی	57
منظوم کہانی	انعم کی سائیکل	ظہیر قدسی	58
اردو ایس ایم ایس	یہ مزے مزے کی حکایتیں	ادارہ	59
ننھے فنکار	بچوں کی تخلیقات	ادارہ	61
دماغی ورزش	ذہنی آزمائش	ادارہ	63

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی
اعزازی مدیر: نصرت ظہیر
ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا
فیز-II، نئی دہلی-110020
مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت-/10 روپے، سالانہ -/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

صدر دفتر
فروغِ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبۂ ادارت: 49539009-11
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in
شعبۂ فروخت: فون: 26109746
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم،
نئی دہلی-110066
ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com
'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں
شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002
فون: 040 - 24415194

آپس کی باتیں

پیارے دوستو'بچّوں کی دنیا' کا ایک سال پورا ہوا۔ پچھلے سال جون کے مہینے میں ہم نے جب پہلا شمارہ تیار کیا تھا تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپ اسے اتنا پسند کریں گے اور یہ بچّوں کے اردو رسالوں کی تاریخ میں نئے ریکارڈ قائم کر دے گا۔ رسالے کی مانگ لگاتار بڑھ رہی ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔ آپ سبھی کو'بچوں کی دنیا' کی یہ پہلی سالگرہ مبارک ہو۔

اب آیئے اپنے آس پاس نظر ڈالتے ہیں۔ جب تک یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا تب تک بہت کچھ ہو چکا ہوگا۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت یعنی ہمارے پیارے ہندوستان کے سب سے بڑے عام چناؤ کے نتیجے آ چکے ہوں گے، پانچ سال کے لیے یا تو حکومت بن چکی ہوگی یا الگ الگ سیاسی پارٹیوں میں اس کے لیے صلاح مشورے چل رہے ہوں گے اور سیاست کے ساتھ ساتھ موسم کی گرمی بھی اپنے شباب پر ہوگی۔ اس کے علاوہ آپ میں سے بہت سوں کے سالانہ امتحانوں کے نتیجے آ چکے ہوں گے اور باقی کو نتیجوں کا انتظار ہوگا۔ مگر سب سے زیادہ مزے کی بات یہ ہے کہ آپ ان دنوں گرمیوں کی چھٹّی کا لطف لے رہے ہوں گے۔

گرمی کی چھٹّیاں اسکولی بچّوں کی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اکثر بچّے سال بھر ان چھٹّیوں کا انتظار کرتے ہیں۔ ہم بھی کرتے تھے۔ ان دنوں میں نہ اسکول کی پڑھائی کا دباؤ ذہن پر ہوتا ہے، نہ اسکول یونیفارم کا رکھ رکھاؤ، نہ جوتوں پر روزانہ پالش کا جھنجھٹ، نہ ہوم ورک، نہ ٹیچر کی ڈانٹ۔ جب جی چاہا کھیلنے نکل گئے۔ جب چاہا دوستوں سے مل لیے۔ کبھی پکنک کا پروگرام بن رہا ہے، کبھی کارٹون فلموں کے لیے ٹی وی کے سامنے جمے بیٹھے ہیں، کسی گھر میں شملہ، مسوری، نینی تال، دارجلنگ، سرینگر یا ماؤنٹ آبو کی سیر کا پروگرام بن رہا ہے۔ جو یہ نہیں کر سکتے وہ دوسرے شہروں میں خالہ، ماموں، چچا، تایا، نانا، نانی جیسے رشتہ داروں کے یہاں جا کر کچھ دن گزارنے کی سوچ رہے ہیں۔ غرض یہ کہ وقت ہی وقت ہے خوب تفریح کیجیے۔ لیکن تفریح کا بھی ایک سلیقہ اور قرینہ ہوتا ہے۔ سمجھ دار بچّے خالی وقت کا بہتر سے بہتر استعمال کرتے ہیں۔ ہر ہفتے یا ہر دن کا ایک ٹائم ٹیبل بنا لیا۔ کب جاگنا ہے، کب سیر پر جانا ہے، کب تک دوستوں کے ساتھ رہنا ہے، کتنی دیر ٹی وی دیکھنا ہے، کتنا وقت کھیل کود میں گزارنا ہے، کس وقت اپنی دل چسپی کی کتابیں پڑھنا ہے، کس روز فلم دیکھنا ہے، یہ سب ٹائم ٹیبل میں لکھ لیا۔ اس طرح خالی وقت کو آپ تفریح، آرام اور صحت مند مشغلوں میں بانٹ کر ایک توازن قائم کر سکتے ہیں۔ یاد رکھیے جس طرح جسم کی صحت کے لیے غذا میں الگ الگ وٹامنوں اور پروٹین والے کھانوں کا ایک توازن ضروری ہے اسی طرح دماغ کی صحت کے لیے خالی وقت کے مشغلوں میں بھی ایک توازن ضروری ہے۔ دراصل گرمیوں کی چھٹّیاں ہمیں ری چارج کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ جیسے موبائل فون بیٹری چارج ہونے کے بعد پوری طاقت سے کام کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، بالکل ویسے ہی گرمیوں کی چھٹّیاں اسکول کے بچّے کو اگلی کلاس اور نئی کتابوں میں بھری ہوئی نئی تعلیم کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر دیتی ہیں۔

اس مہینے کے آخر میں، عبادتوں، برکتوں اور نعمتوں کا مہینہ رمضان بھی شروع ہوگا۔ آپ میں سے جو بچے مسلمان ہیں اور جن پر عمر کے حساب سے روزہ فرض ہے وہ تو اس مہینے کا روحانی فائدہ اٹھائیں گے ہی، ان کے ساتھ ساتھ وہ بچّے بھی سحری اور افطار میں تیار ہونے والی خاص نعمتوں کا لطف لیں گے جن پر ابھی روزہ فرض نہیں ہوا ہے۔ لیکن میرے خیال سے، وہ بچّے زیادہ خوش نصیب ہیں جو شدید گرمی کے اس مہینے میں پہلا روزہ رکھنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ پہلا روزہ ایک ایسی خوش گوار یاد ہے جو عمر بھر ساتھ رہتی ہے۔ آپ اپنے پہلے روزے کی یادیں ہم سے شیئر کرنا چاہیں تو 'بچوں کی دنیا' کے صفحات حاضر ہیں۔ اور ہاں، یہ دعوت بزرگ قارئین کے لیے بھی ہے۔ آپ سب کا دوست

(ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین)

□ مختار ٹونکی

دن گرمی کے

تا تا تھیّا، تاتا تھیّا
گرمی کے دن آئے بھیّا

سورج جیسے سر پہ آیا
جھلسے گی اب سب کی کایا
خوب تپے گی دھرتی میّا

گرمی کے دن آئے بھیّا

کروٹ لے کر موسم جاگا
پونچھ دباکر جاڑا بھاگا
گھوما جو ہے رت کا پہیہ

گرمی کے دن آئے بھیّا

گرم ہوا ہر روز چلے گی
پانی پر اب مار پڑے گی
ہوں گے سوکھے تال تلیّا

تا تا تھیّا، تاتا تھیّا
گرمی کے دن آئے بھیّا

کیسا کھانا، کیسا پینا
ہر دم ٹپکے جائے پسینہ
مشکل میں ہے جیون نیّا

گرمی کے دن آئے بھیّا

ناچیں، دوڑیں، اچھلیں کودیں
گھر سے باہر کیسے نکلیں
بچے بالے بانکے بھیّا

گرمی کے دن آئے بھیّا
تاتا تھیّا ، تا تا تھیّا

□

Mukhtar Tonki
Kaali Paltan Road Pul Mohammad Khan Tonk Rajasthan

ادارہ

دنیا ایک عجائب خانہ

آسمان میں رسّی پر چہل قدمی: سرکس میں کسی کا رسّی پر چلنا عام کھیل ہے۔ لیکن زمین سے ہزاروں فٹ کی بلندی پر گرم ہوا والے دو غبّاروں کے بیچ رسّی باندھکر چلنا اور ایک غبارے سے دوسرے غبارے تک پہنچنا واقعی ایک بڑا کرتب ہے۔ فرانس کے دو منچلوں کا یہی ارادہ تھا۔ ایک آدھے راستے پر توازن کھو بیٹھا اور دوسرا ہمت ہار بیٹھا۔ یہ سبھی منظر ایک فلم میکر نے اپنے کیمرے میں قید کر لیے۔ اس ناکامی پر بھی دونوں نوجوانوں کا کہنا ہے کہ وہ مایوس نہیں ہوئے اور ایک بار پھر کوشش کر کے اپنا دعوائی سچ کریں گے۔ واقعی ناکامی کوئی ایسی خراب بات نہیں۔ بڑی بات ہے کوشش کرنا اور ہمت نہ ہارنا۔

لڑکی اور کیک: کئی لوگ اپنے آپ سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ کہ کچھ نہ پوچھیے۔ لندن کی یہ لڑکی سارہ رینے اپنے آپ کو اتنا چاہتی ہے کہ اس نے اپنی شکل کا ایک پورٹریٹ جیسا کیک تیار کرالیا۔ ایک ماہر بیکر جولیٹ سئیر نے بادام کے حلوے اور اسپونج کیک کی مدد سے واقعی ایک ایسا کیک تیار کر دیا جو سارہ سے پوری طرح ملتا جلتا ہے۔ بعد میں کیک کا کیا ہوا یہ نہ پوچھیے کیونکہ ہوسکتا ہے سارہ نے جوش میں آکر خود ہی کیک کھالیا ہو۔

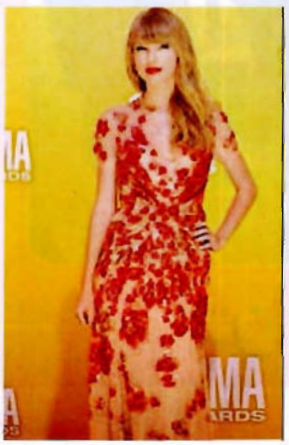

ننھی فیشن ڈیزائنر: سیکھنا چاہیں تو اس چار سال کی ننھی پری سے جس کا نام میم ہے آپ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ امریکہ کے ہیوسٹن کی میم کاغذی کپڑوں کی فیشن ڈیزائننگ میں خوب نام کمارہی ہے۔ اس کی والدہ بھی فیشن ڈیزائنر ہیں اور جلد ہی میم کے ڈیزائن کئے ہوئے کاغذی کپڑوں کی ایک نمائش کرنے والی ہیں۔ ذرا سوچئے جب چار سال کی بچی یہ سب کرسکتی ہے تو آپ کچھ انوکھا کیوں نہیں کر سکتے؟

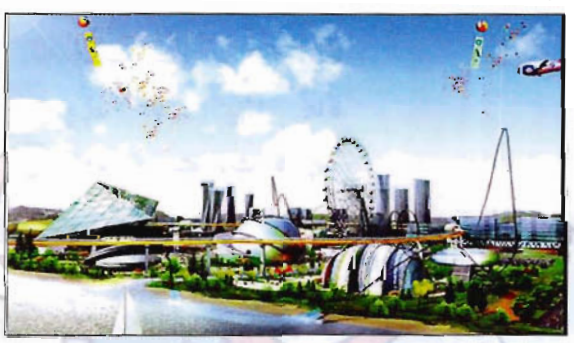

اپنا روبوٹ خود بنائیں: جنوبی کوریا کی راجدھانی سیول میں 62 کروڑ 50 لاکھ ڈالر کی لاگت سے ایک تفریحی پارک بنایا جارہا

ہے جس میں تفریح کے ساتھ سائنسی تعلیم کا بھی انتظام ہوگا اور ایک ایسا سینٹر بنایا جائے گا جس میں تماشائی مستقبل کے روبوٹس ڈیزائن کر سکیں گے۔ اس میں روبوٹکس انجینیر نگ میں گریجویشن کے لیے اسکول بھی بنایا جائے گا۔ اس روبوٹکس تھیم پارک میں روبو شاپ، سنیما، نائٹ کلب، مونو ریل، روبو باکسنگ، روبوٹک ایکویریم بھی ہوگا جس میں میکینکل مچھلیاں تیریں گی۔ امید ہے یہ 2016 تک مکمل ہو جائے گا۔

سب سے مہنگی گھڑی: یہ دنیا کی سب سے قیمتی گھڑی ہے۔ شاید وقت سے بھی زیادہ۔ قیمت ہے ساڑے پانچ کروڑ ڈالر۔ برطانیہ کی ایک کمپنی نے یہ گھڑی بنوائی ہے۔ اس میں کئی رنگوں کے قیمتی ہیرے جواہرات جڑے ہیں جن کا وزن 110 قیراط ہے۔ تاہم یہ اتنا ہی صحیح وقت بتاتی جتنا ہماری آپ کی عام گھڑیاں بتا سکتی ہیں۔

کاغذی ہے پیرہن...: دیوان غالب کا پہلا ہی شعر ہے،

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

اس مشکل شعر کا مطلب تو اردو ادب کو کافی کچھ پڑھنے کے بعد ہی آپ سمجھ پائیں گے بس اتنا جان لیجیے کہ غالب نے اس میں ایران کی ایک رسم کا ذکر کیا جس کے مطابق وہ لوگ جنھیں حاکم سے کوئی شکایت ہوتی تھی تو فریاد کرنے کے لیے کاغذ کا لباس پہن لیا کرتے تھے، جو ظاہر ہے کاغذ کا بنا ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ سے پھٹا ہوتا تھا۔ لیکن اب ایک کاغذ جس کا نام ٹائی ویک Tyvek بن چکا ہے جو کپڑے جتنا ہی مضبوط ہوتا ہے۔ مشہور جرمن ڈیزائنر جیول ویبل اس کاغذ کو تراش اور موڑ کر ایسے خوب صورت لباس تیار کرتی ہیں کہ آدمی دیکھتا رہ جائے۔ یہ لباس لندن پیرس ماسکو میڈرڈ استنبول سنگاپور وغیرہ میں دستیاب ہیں۔

لمبی ٹانگوں والی خاتون: امریکہ کے نیویارک شہر میں 26 سال کی بروک بینکر Brooke Banker وہ خاتون ماڈل ہیں جن کا پورا قد تو 5 فٹ 11 انچ کا ہے لیکن ٹانگیں تقریباً چار فٹ (47 انچ سے کچھ زیادہ) لمبی ہیں، جو خاصی حیرت میں ڈالنے والی بات ہے۔

تھری ڈی کمال: ہالینڈ کے آرٹسٹ روبن پوشیا اور کیوان کیرا نے تھری ڈی تصویروں کی آرٹ کو 63 مربع میٹر رقبے والے پلاٹ کی شکل میں سنگاپور ایک شاپنگ مال کے سامنے لے آئے ہیں۔ اس پلاٹ پر انھوں نے مختلف چیزوں کے علاوہ کئی شہروں کی مشہور تعمیرات مثلاً پیرس کے آئیفل ٹاور، پیٹروناس کے ٹوئن ٹاور اور امریکہ کی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کی پینٹنگز بھی بنائی ہیں۔ تماشائی جب خاص زاویے سے دیکھتے ہیں تو انھیں ایک عجیب شہر دکھائی دیتا ہے، ورنہ سڑک نظر آتی ہے۔

سوا کروڑ کا کتّا: ان دونوں میں ایک جو سنہرے بالوں والا کتّا ہے وہ دنیا کا سب سے مہنگا کتّا بتایا جا رہا ہے۔ امریکی کرنسی میں 20 لاکھ ڈالر کا اور ہندوستانی کرنسی میں سوا کروڑ روپے سے کچھ زیادہ کا۔ چین کے صوبہ زنجیانگ مہنگے پالتو جانوروں کے میلے میں خاص تبّتی مستیف Tibetan Mastiff نسل کے 90 کلوگرام وزنی اس کتے کو چین کے ایک کروڑ پتی پراپرٹی ڈیولپر خریدا ہے۔ اس کی (کتّے کی) عمر سال ہے اور اسے چین میں خوش نصیبی کی علامت مانا جاتا ہے۔

'آئینے والا' Mirror Man: یہ کوئی خلا سے آئی ہوئی مخلوق نہیں، لاس اینجلس امریکہ کا ایک عام انسان ہے۔ بات بس اتنی سی ہے کہ اس نے شیشے کے ٹکڑے چپکا کر بنایا گیا لباس پہن رکھا ہے، اس لیے ایسا نظر آرہا ہے۔ اس کے آس پاس کی چیزیں اور لوگوں کے چہرے ان شیشوں میں دیکھ کر لوگ بڑے محظوظ ہوتے ہیں۔ اس مرر مین کا نام گستاف ٹروجر ہے اور لوگ اس امریکی آرٹسٹ کو جیتا جاگتا موزائیک

آرٹ کا نمونہ بھی کہتے ہیں۔اس نے اپنی ٹوپی اور چہرے کو بھی آئینوں کے ٹکڑوں سے ڈھانپ رکھا ہے۔لطف یہ ہے کہ مرر مین جس جگہ بھی دکھائی دیتا ہے اس کی ایک الگ شخصیت بن جاتی۔اس کے بعد وہ چاہے بھی تو اس شخصیت کو دوبارہ نہیں دکھا سکتا کیوں کہ اس کی ہر جنبش پر منظر اور اس کا زاویہ بدل جاتا ہے اور اس کے لباس میں لگے ہوئے ایک ہزار آئینے اس کی ایک الگ تصویر منعکس یعنی رفلیکٹ کرتے ہیں۔

جلتے بجھتے جانور: آئرلینڈ کے ایک آرٹسٹ نے جانوروں کے بڑے بڑے ماڈل تیار کرکے سڑکوں کے کنارے لگائے ہیں جو ایل ای ڈی روشنی سے رات کو جلتے بجھتے رہتے ہیں۔لوگوں کو یہ ماڈل بے حد پسند آئے ہیں اور وہ ان کے روشن ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

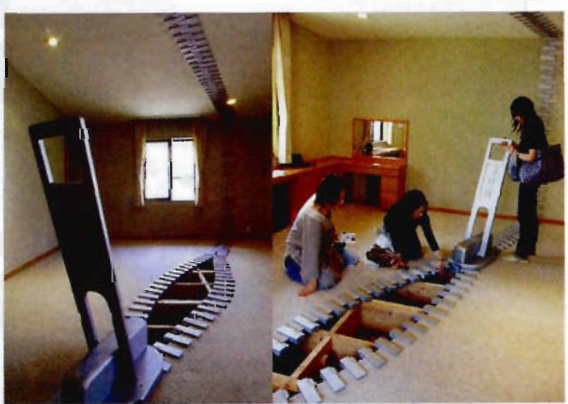

زپ کے پیچھے کیا ہے؟: جاپان کے جوآن کتا گاوا نے بڑی بڑی زپوں کی تھری ڈی تصویریں بنا کر ایک نئی 'زپ آرٹ' کو جنم دیا ہے۔اس کا آئیڈیا اسے تب آیا جب اسے زپ والی ٹی شرٹس کو بیچنے میں دشواری ہوئی۔اس نے سائز میں بہت بڑی زپ بنا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔اب وہ ٹو ڈی اور تھری ڈی زپ بنا کر بڑی عمارتوں، پارکوں، تالابوں پر نصب کر دیتا ہے اور لوگوں میں چھپی ہوئی چیزیں دیکھنے کی خواہش کو جگاتا ہے۔

ڈائنو سارس کی نمائش: ہالینڈ کے شہر روٹر ڈم کے ایک سابق پوسٹ آفس میں لونگ ڈائنو سارس Living Dinosaurs کے عنوان سے لاکھوں سال پہلے کے ان جانوروں کے میکینکل نمونوں کی نمائش کی گئی جو دم ہلا کر آنکھیں جھپکا کر اور سر کو گھما کر لوگوں کو چونکاتے ہیں۔یہ نمائش 15 جون تک جاری رہے گی۔

بجلی کے ناخن: ایک جاپانی ڈیزائنر نے ناخن رنگنے کی شوقین خواتین کے لیے انگلیوں کے ایسے مصنوعی ناخن تیار کیے ہیں جو پل بھر میں اپنا رنگ بدل لیتے ہیں۔عام سی پلاسٹک کے بنے ہوئے ان ناخنوں میں ایل ای ڈی لائٹ اور سینسر لگائے گئے ہیں اور یہ انگلیوں پر آسانی سے اصلی ناخنوں کے اوپر فٹ ہو جاتے ہیں۔جیسے ہی ہاتھ کسی الیکٹرونک شئے، مثلاً موبائل یا کمپیوٹر کے قریب پہنچتے ہیں ناخنوں کے سینسر ایل ای ڈی کو روشن کر دیتے ہیں جو چارج ہونے کے بعد جلنے بجھنے لگتی ہے۔اب ناخنوں پر رنگ برنگی نیل پالش لگانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔اس ایل ای ڈی سسٹم میں کئی رنگ ہوتے ہیں اور لباس سے ناخنوں کو میچ کرنے کے لیے ان کے رنگ بدلے جا سکتے ہیں۔□

□ ناظمہ پروین

عظیم ہاتھی

میمتھ

جس کی نسل ہزاروں سال پہلے ختم ہوگئی

ہاتھی یوں تو آج بھی کافی بڑے ہوتے ہیں۔لیکن ایک زمانے میں ان سے بھی بڑے ہاتھی ہوا کرتے تھے۔یہ ہاتھی ساڑھے چار ہزار سال پہلے اس زمین پر چلتے پھرتے تھے اور قطب شمالی North Pole کے آس پاس شمالی امریکہ اور سائبیریا میں لاکھوں کی تعداد میں جھنڈ بنا کر رہتے تھے۔لیکن اچانک یہ عظیم ہاتھی غائب ہوگئے۔سائبیریا میں برف کے نیچے دبے ہوئے اس عظیم الجثہ بالوں والے ہاتھی کے ڈھانچے ملے ہیں۔ان ہاتھیوں کو میمتھ کہتے ہیں۔Mammuthus روسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں بہت

لمبے سینگوں والا۔ یہ نام اس لیے پڑا کیونکہ ان ہاتھیوں کے 3.4 میٹر (گیارہ فٹ) لمبے دانت ہوتے تھے۔

یہ ہاتھی آج کے افریقی ہاتھیوں سے بھی کافی بڑے تھے۔ ایک میمتھ کی اونچائی 16 فٹ اور وزن 6 سے 8 ٹن تک ہوتا تھا۔ لیکن کچھ نر ہاتھی 12 ٹن تک وزنی تھے۔ ان ہاتھیوں میں حمل کی مدت کافی طویل ہوتی تھی۔ مادہ حمل قرار پانے کے 22 ماہ بعد ایک ہی بچے کو جنم دیتی تھی۔ اس لیے ان ہاتھیوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ یہ بھی آج کے ہاتھیوں کی طرح جھنڈ بنا کر رہتے تھے اور جھنڈ کی سردار کوئی بوڑھی اور تجربہ کار ہتھنی ہوتی تھی۔

مئی 2007 میں روس کے یورپی دریا کے کنارے میمتھ کے بچے کا ڈھانچہ دریافت ہوا۔ کاربن ڈیٹنگ سے پتہ چلا کہ یہ ڈھانچہ 37000 سال پرانا ہے۔ سائنس دانوں نے اس کے DNA کی مدد سے کلوننگ کے خلیے Cell سے ملا کر دوبارہ میمتھ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو ابھی جاری ہے۔ لیکن روس کے شعبۂ حیوانات کے ڈپٹی ڈائریکٹر الیکسی تخانوف کا کہنا ہے کہ کلوننگ کے لیے سالم خلیے کی ضرورت پڑتی ہے اس ڈھانچے کے تمام خلیات پینتیس ہزار سال برف میں دفن رہنے کے سبب پھٹ چکے ہیں اس لیے کلوننگ کا عمل ممکن نہیں۔ اس کے باوجود جاپان کے کچھ سائنس داں میمتھ کے بچے ہوئے خلیات کی مدد سے کلوننگ کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

سائنس دانوں کا کہنا ہے دس ہزار سال قبل دنیا میں لاکھوں سال سے جاری برفانی دور کا خاتمہ ہوا تو اسی کے ساتھ عظیم میمتھ بھی ختم ہونے لگے۔ ایک اندازے کے مطابق صرف روسی سائبیریا میں میمتھ کے ڈیڑھ کروڑ سے زائد باقیات برف میں دبے پڑے ہیں۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اتنا بڑا طاقتور جانور کن وجوہات کی بنا پر صفحہ ہستی سے مٹ گیا اور اس کی نسل ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ اس بارے میں مختلف خیالات ہیں۔

کچھ تحقیق کاروں یعنی ریسرچ کرنے والے سائنس دانوں کی رائے ہے کہ برفانی دور کے ختم ہونے پر دنیا میں درجہ حرارت بڑھنے

ننھا میمتھ ہزاروں سال برف میں دفن رہنے کے بعد سائنس دانوں کے ہاتھوں میں جو اس کی موت کا سبب ڈھونڈ رہے ہیں

سے شمالی امریکہ، یوریشیا اور قطب شمالی کے علاقوں میں سبھی بڑے بڑے جانور اور پرندے ختم ہونے لگے۔

میمتھ کے خاتمے کی چار وجوہات بیان کی جاتی ہیں:

1۔ برفانی دور ختم ہوا تو انسانوں نے افریقہ اور یورپ سے امریکہ اور یوریشیا کے علاقوں کا رخ کیا اور وہاں جا کر رہنے لگے۔ واضح ہو اس دور میں یہ علاقے خشکی سے جڑے ہوئے تھے۔ تحقیق کاروں کی دعویٰ ہے انسانوں نے گوشت کھال اور دانتوں کے لئے ان ہاتھیوں کا بڑے پیمانے پر شکار کرنا شروع کیا جس کے سبب ان کی تعداد کم ہونے لگی۔

2۔ پوری دنیا میں موسم تبدیل ہو رہا تھا۔ کیونکہ لاکھوں سال کے برفانی دور میں سبب میتھ کے جسم پر اونی فراگ آیا تھا جو ٹھنڈ سے اس کی حفاظت کرتا تھا۔ اب یہی فر گرم ہوتے موسم میں اس کی جان کا دشمن بن گیا۔

3۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ میمتھ کی پوری نسل میں کوئی خاص قسم کی بیماری پھیل گئی اور اس بیماری کے سبب سبھی مارے گئے۔

4 ایک تھیوری یہ بھی ہے کہ زمین سے کوئی شہاب ثاقب آ کر ٹکرایا جس کے سبب زبردست تباہی مچی اور تمام بڑے حیوان مارے گئے۔

5۔ ایک خیال یہ ہے کہ میمتھ کے خاتمے کے لیے یہ چاروں ہی وجہیں ذمہ دار ہیں اور یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ ان کی پوری نسل ختم ہوگئی۔ اسٹاک ہوم یونیورسٹی کے سائنس داں اینڈریز انڈر ربجون کا کہنا ہے کہ میمتھ ہاتھیوں کی پیدائش میں کافی وقت لگتا تھا اور ایک وقت میں صرف ایک میمتھ کی پیدائش ہوتی تھی اس لیے ان کی آبادی میں اضافہ بہت سستی سے ہوتا تھا۔ اس سبب سے بھی ان کی تعداد کم ہوتی گئی اور بالآخر یہ بالکل ختم ہوگئے۔

سائنس دانوں کو امریکہ میں جو باقیات ملے تھے ان کی بنا پر میمتھ کے خاتمے کا وقت دس ہزار سال قبل بتایا گیا تھا۔ لیکن روس کے سرد علاقوں میں یہ آٹھ ہزار سال پہلے تک موجود تھے۔ سینٹ پال، الاسکا میں یہ ساڑھے تین ہزار سال قبل ختم ہوئے تھے۔ روس کے ایک دور دراز جزیرے رینگل آئی لینڈ میں کچھ میمتھ ہزاروں سال پہلے تک باقی رہے کیونکہ یہ علاقہ دنیا سے کٹا ہوا تھا اور اس کی دریافت 1826 میں ہوئی۔ لیکن یہاں پائے جانے والے میمتھ دیگر علاقوں کے میمتھ سے سائز میں کافی چھوٹے تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسی پرانی جسامت والے بڑے بڑے میمتھ دوبارہ پیدا ہوں گے یا نہیں۔ دنیا کی کئی تجربہ گاہوں میں میمتھ کی کلوننگ پر کام ہو رہا ہے اور کسی وقت بھی اس سلسلے میں انسان کی کامیابی کی خبر آسکتی ہے۔ □

Ms Nazima Parveen
2793 Pahari Bhojla
Delhi-110006

□ زیب النساحیا

پہلا روزہ

سمندر سے کچھ ہی دور ایک بستی تھی۔ اس بستی میں امین نام کا ایک لڑکا رہتا تھا۔ بدقسمتی سے بچپن میں ہی اس کے والدین کا سایہ اس کے سر سے اٹھ گیا تھا۔ بس سہارے کے نام پر ایک دادی ماں تھیں جن کے زیرِ سایہ وہ پرورش پا رہا تھا۔ دادی اس سے بہت محبت کرتی تھیں۔ ایک دن کسی بات پر انہوں نے امین کو ڈانٹ دیا۔ بس پھر کیا تھا وہ ناراض ہو کر سمندر کے کنارے آ کر بیٹھ گیا۔ وہ اداسی کے عالم میں بیٹھا سمندر کی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک سمندر کے کنارے ایک نارنگی رنگ کی مچھلی آ کر اس سے بولی ''سنو! کیا تمہیں بھی انتظار ہے چاند نکلنے کا؟''

امین نے حیرانی سے مچھلی کو دیکھ کر کہا ''کیوں؟''

مچھلی بولی ''ارے! کیا تمہیں نہیں پتہ آج سورج ڈھلنے کے بعد رمضان کا چاند نکلے گا۔''

مچھلی کی بات سن کر امین بولا ''ارے! ہاں ہاں یاد آ گیا دادی بھی کہہ رہی تھیں۔'' یہ کہہ کر امین جیسے ہی اٹھا سامنے دور افق میں جہاں زمین آسمان ملتے ہیں، سورج ڈوبنے لگا تھا۔

مچھلی بولی ''سنو تھوڑی دیر اور رک جاؤ سورج ڈوبنے کو ہے۔''

امین بولا ''دادی میری راہ دیکھ رہی ہوں گی۔ مگر تم کہتی ہو تو رک جاتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے امین وہیں ریت پر بیٹھ گیا، اور مچھلی سے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام کائنات ہے، اور تمہارا نام کیا ہے؟'' مچھلی نے پوچھا۔

''امین۔اسکول میں مجھے محمد امین کہہ کر بلاتے ہیں۔'' امین نے جواب دیا۔

''سبحان اللہ! بڑا پیارا نام ہے تمہارا۔'' یہ کہہ کر مچھلی مسکرادی۔

ابھی امین اور مچھلی باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک سمندر میں ہلچل سی ہوئی۔ امین نے مڑ کر دیکھا لہروں کے ساتھ انگنت رنگ برنگی مچھلیاں نارنگی مچھلی کو پکار کر کہہ رہی تھیں ''ارے کائنات وہ دیکھو چاند نکل آیا!''

مچھلیوں کی بات سن کر امین نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور باریک سے خوب صورت چاند کو دیکھ کر دل ہی دل میں کہا ''یارب! یہ رمضان ہم سب کے لئے خوشیاں لے کر آئے!'' پھر وہ کائنات مچھلی سے بولا ''ارے! میں تو تمہیں بتانا بھول ہی گیا تھا کل میری روزہ کشائی ہے، میری دادی مجھے پہلا روزہ رکھوا رہی ہیں۔''

''بھئی واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے لیکن ہاں، روزہ رکھ کر ہم سے ملنے ضرور آنا۔'' کائنات مچھلی نے امین سے کہا۔

مچھلی کی بات سن کر امین بولا، ''کیوں؟''

مچھلی ہنستے ہوئے بولی ''ارے پہلے روزہ دار بن کر آنا تو سہی پھر پوچھوں گی تم سے!''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے۔اب مجھے گھر جانے کی اجازت دو۔ دادی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ مجھے بازار سے سحری کا سامان بھی لانا ہے۔'' یہ کہہ کر امین گھر کی طرف چل دیا۔

گھر پہونچا تو دیکھا دادی واقعی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

اسے دیکھتے ہی بولیں، ''بیٹا آج رمضان کا چاند ہوگیا کل کا پہلا روزہ ہوگا، اور تمھیں بھی کل پہلا روزہ رکھنا ہے۔ اسی روزے سے تمہاری زندگی میں ہر سال آنے والے رمضان میں روزہ رکھنے کی شروعات ہوگی۔''

امین خوشی سے چہک اٹھا۔ ''ہاں ہاں کیوں نہیں دادی، میں بھی ضرور روزہ رکھوں گا۔ اچھا دادی اگر بازار سے کچھ سحری کا سامان منگوانا ہے تو بتادیں۔''

امین کی بات سن کر دادی نے سامان کی لسٹ اس کے ہاتھوں میں تھمادی، اور امین بازار کی طرف چل دیا۔ خریداری کر کے لوٹا اور پھر اس نے دادی کے ساتھ کھانا کھایا۔

اگلی صبح اسکول جانے کے لئے گھر سے نکلا تو اسے کائنات مچھلی کی بات یاد آئی۔ روزہ رکھ کر تم ضرور آنا۔

بس پھر کیا تھا۔ یہ بات یاد آتے ہی وہ جھٹ سے سمندر کے کنارے جا پہونچا۔ دیکھا کائنات مچھلی اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ امین

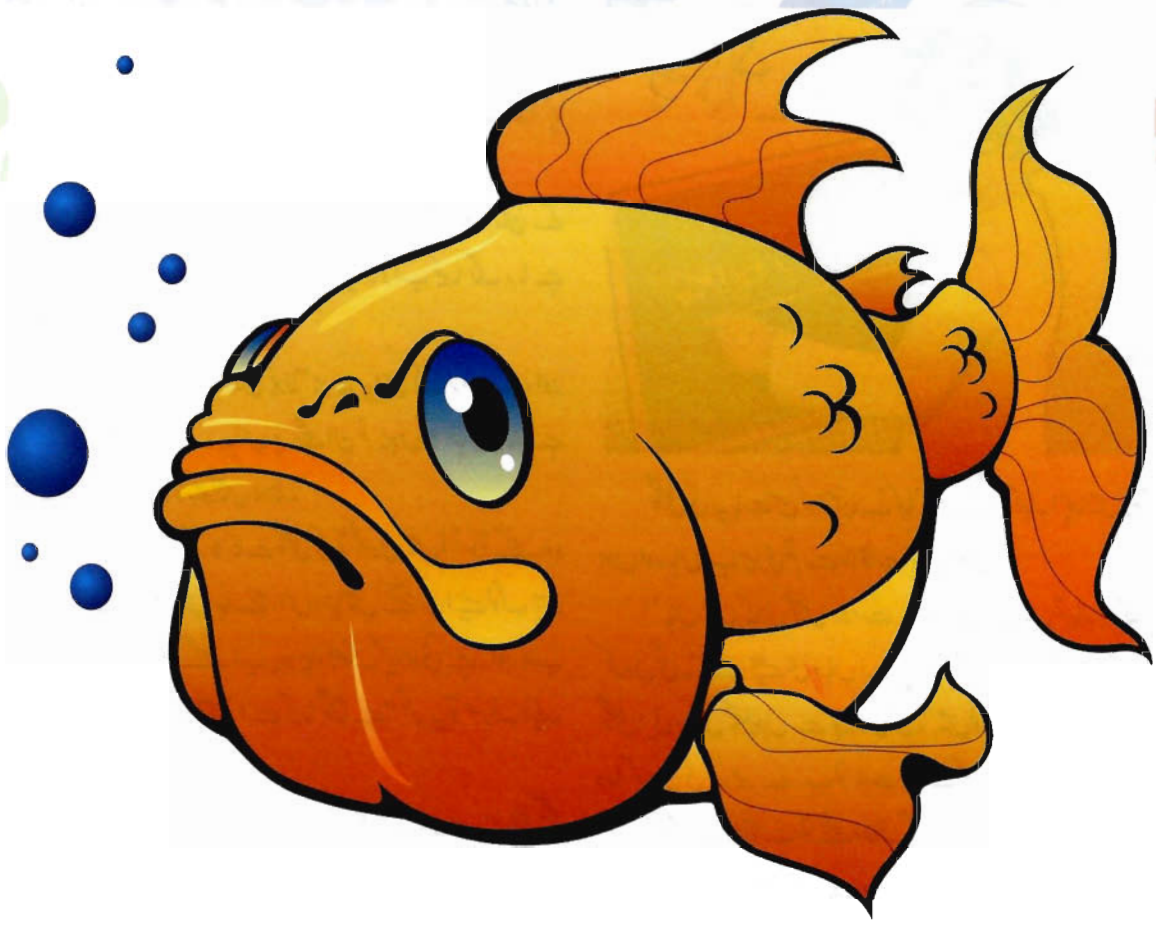

کو دیکھتے ہی بولی ''رمضان مبارک ہو امین۔ کیسا لگ رہا ہے پہلی بار روزہ رکھ کر!؟'' کائنات مچھلی نے پوچھا۔

امین مسکراتے ہوئے بولا ''ابھی تک تو سب ٹھیک ہے۔ جیسے جیسے وقت بڑھے گا تب کا حال تو رب ہی جانے۔ مگر چاہے جو بھی ہو مجھے جیسا بھی محسوس ہوگا میں تمہیں بتاؤں گا ضرور۔''

''یہ بتاؤ رمضان کا مہینہ اتنا اہم کیوں ہے؟'' مچھلی نے امین سے سوال کیا۔

امین بولا ''دادی نے مجھے بتایا ہے رمضان ہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ اور قرآن میں بھی اس مہینے کی بہت تعریف کی گئی ہے... اچھا خیر، اب چلتا ہوں اسکول سے لوٹتے وقت ایک بار پھر آؤں گا۔ تب ہم خوب باتیں کریں گے۔''

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ جاؤ امین، خوب پڑھو لکھو۔ خدا حافظ۔'' کائنات مچھلی یہ کہتے ہوئے پانی کے اندر چلی گئی، اور امین نے اسکول کی راہ پکڑ لی۔

اسکول پہنچا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا دھوپ کی تیزی سے امین کو ہلکی ہلکی پیاس محسوس ہوئی، مگر اس نے خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ آج میں نے یہ جو روزہ رکھا ہے اپنے رب کے لیے رکھا ہے۔ تو کیا پیاس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر دادی بھی تو یہی کہہ رہی تھیں کہ نبی کریمؐ نے روزے کو ایک امانت بتایا تھا اور کہا تھا کہ ہر ایک کو اپنی امانت کی حفاظت کرنی چاہیے۔ دادی کی بات یاد آتے ہی امین نے اپنی پیاس پر قابو کیا اور اپنا

دھیان کتاب میں لگالیا۔ تھوڑی دیر بعد چھٹی کا گھنٹہ بجا۔ امین سمندر کی طرف چل دیا۔ مگر اس دفعہ اس کے قدموں میں وہ تیزی نہیں تھی۔ بے چارہ کمزوری کے ساتھ تھکے تھکے قدموں سے سمندر کے کنارے پہونچا اور دبی سی آواز میں کائنات مچھلی کو پکارنے لگا۔

اس کی پکار سنتے ہی کائنات مچھلی کنارے پر آئی اور امین کے مرجھائے چہرے کو دیکھ کر بولی ''دوست، یہ بتاؤ اب کیسا لگ رہا ہے تمہیں؟''

مچھلی کی بات سن کر امین بولا ''بہت پیاس لگ رہی ہے، اور بھوک بھی... مگر اپنی بھوک پیاس پر مجھے ان غریبوں کا خیال آرہا ہے جن کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہوتا۔''

امین کی بات سن کر کائنات مچھلی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ بولی ''پیارے بچے تم نہیں جانتے، اس دنیا میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو بھوک پیاس سے مرگئے۔ اب پتہ چلا بھوک کیا ہوتی ہے۔ اور جب انسان کو کھانا پانی نہیں ملتا تو اسے کیسا لگتا ہے؟ مگر یہ تو صرف ایک روزہ ہے۔''

یہ کہہ کر مچھلی چپ ہوگئی اور امین دل ہی دل میں سوچنے لگا صحیح کہہ رہی ہے کائنات مچھلی۔ آج مجھے روزہ رکھ کر پتہ چلا ہے کہ کھانے کی کیا اہمیت ہے۔ اسے دادی کی باتیں یاد آنے لگیں۔ کئی بار وہ پلیٹ میں کھانا چھوڑ دیا کرتا تھا تو دادی کہتی تھیں، کھانا برباد کرنا بری بات ہے۔ اناج کے ایک ایک دانے کی قدر کرو۔ اس سے لوگوں کا پیٹ بھرتا ہے۔ پلیٹ میں صرف اتنا کھانا لو جتنا کھا سکو۔

''دادی آپ نے صحیح کہا تھا!'' اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

مچھلی بولی ''کیا اب عید کے چاند کا انتظار کررہے ہو؟''

''مذاق مت کرو کائنات!'' امین نے جھنجھلا کر کہا۔

مچھلی بولی ''پیارے امین۔ میں جانتی ہوں تم بہت کمزوری محسوس کررہے ہو۔ بس جہاں اتنا صبر کیا وہاں تھوڑا اور صبر کرلو۔ اور پھر یہ کیوں بھول گئے کہ ابھی تو تمہیں اور بھی روزے رکھنے ہیں۔''

مچھلی کی یہ بات سن کر امین نے کہا ''تم نے صحیح کہا۔ اچھا میں چلتا ہوں اور ہاں اب میری تم سے ملاقات عید پر ہوگی۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں دوست۔ عید کے دن میں تمہارا انتظار کروں گی۔'' امین جیسے ہی وہاں سے چلنے لگا تو اس نے دیکھا کائنات مچھلی اپنی ساتھی مچھلیوں سے کہہ رہی تھی، ''میں تو اس رمضان بس یہی دعا کروں گی کہ میرے رب تو بہت معاف کرنے والا ہے۔ معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے، تو مجھے معاف کردے۔''

امین اور کائنات مچھلی ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ کر اپنے اپنے ٹھکانوں کو چل دیے۔

وقت گذرتا رہا اور پھر وہ دن بھی نزدیک آگیا جس کا انتظار کائنات مچھلی کو تھا۔

آج عید تھی۔ اس کا انتظار ختم ہوا۔ امین عیدہ گاہ سے سیدھا سمندر کے کنارے پہونچا تھا اور اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی تھیلی تھی۔ اس نے مچھلی کو پکارا۔ کائنات مچھلی دور سے بڑی تیزی کے ساتھ اسی کی طرف چلی آرہی تھی۔ جیسے ہی وہ کنارے پر آئی امین نے ہاتھ میں دبی سوئیوں کی تھیلی کھول کر پانی میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''میری پیاری دوست عید مبارک ہو تمہیں۔'' □

Ms Zebunnisa Haya
c/o Syed Irshad Ali A-1, Fourth Floor MM Apartments Near Shia Masjid Okhla Vihar Jamia Nagar , New Delhi-110025

سلطان احمد ساحل

اکبر بیربل کے دل چسپ قصے

اگر آپ اکبر بادشاہ کے بارے میں جانتے ہیں تو راجہ بیربل کا نام بھی ضرور سنا ہوگا۔ بیربل کو اپنی زندگی ہی میں بے انتہا مقبولیت حاصل ہوگئی تھی۔ اس نے اپنی ذہانت اور ظرافت سے نہ صرف اکبر بادشاہ کا دل جیت لیا تھا بلکہ عام لوگوں میں بھی مقبول تھا۔ وہ ایک بہادر سپاہی اور اعلیٰ منتظم تھا اور شاید اکبر بادشاہ کو جو بات سب سے زیادہ پسند تھی وہ بیربل کی ذہانت اور ظرافت تھی۔

بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ بیربل ایک اچھا شاعر بھی تھا۔ وہ 'برہما' کے نام سے شعر بھی کہتا تھا۔ بھرت پور کے عجائب گھر میں اس کا ایک دیوان ابھی تک موجود ہے۔ یوں تو عوام اور اکبر بادشاہ اس کو بیربل کے نام سے جانتے تھے۔ مگر اس کا اصلی نام مہیش داس تھا۔ وہ ایک غریب برہمن کے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی پیدائش دریائے جمنا کے کنارے تکاون پور میں بتائی جاتی ہے جس کا پرانا نام تری وکرم پور تھا۔

بیربل اپنی عقل مندی اور ذہانت کی بدولت ترقی کرتے کرتے مغل بادشاہ اکبر اعظم کا وزیر بن گیا تھا۔ قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک فوجی مہم کو لے کر افغانستان گیا تھا اور وہیں جنگ کے دوران سازش کے تحت مارا گیا۔ اکبر کو بیربل کی موت کا بے حد صدمہ ہوا۔ بیربل کی ذہانت اور ظرافت کے کئی قصے آپ نے پڑھے یا سنے ہوں گے۔ آج پیش ہیں اس کے چند اور دل چسپ قصے۔

دھلی کے کوّے

ایک مرتبہ اکبر نے بیربل کو بلا کر کہا ''ایک مہینے کے اندر گنتی کر کے بتاؤ کہ دہلی میں کتنے کوّے ہیں؟''

بیربل نے جھک کر سلام کیا اور کہا ''بادشاہ سلامت، یہ کام میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔ دہلی میں چھ ہزار پانچ سو باون کوّے ہیں۔''

اکبر نے کہا ''اگر اس سے ایک بھی کم یا زیادہ ہوا تو؟''

بیربل نے فوراً جواب دیا ''حضور! آپ خود گن لیں۔ تعداد اس سے زیادہ نکلی تو سمجھ لیجیے کہ اتنے کوّے باہر سے مہمان بن کر آئے ہیں اور دہلی کے کووں کے رشتے دار ہیں۔ اور اگر کوّے کم نکلے تو سمجھ جایئے کہ اتنے کوّے دہلی سے باہر رشتہ داری نبھانے گئے ہیں۔''

بیربل اور شاہ ایران

ایران کے بادشاہ نے بیربل کی دانش مندی کی بڑی تعریف سن رکھی تھی۔ اس لیے اس نے اکبر سے بیربل کو اپنے دربار میں بھیجنے کی درخواست کی۔ شہنشاہ اکبر بہت خوش ہوئے۔ انھیں بیربل پر بڑا ناز تھا۔ اس لیے انھوں نے بیربل کو شان و شوکت سے ایران کے بادشاہ کے پاس جانے کا حکم دے دیا۔

ایران کی راجدھانی پہنچتے ہی شاہ نے بیربل کو بلا بھیجا۔ بیربل دربار میں پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ کئی آدمی شاہی لباس پہنے سروں پر بادشاہوں کی طرح کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے حیران ہو گیا کیونکہ بیربل نے شاہ ایران کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی شاہ ہو سکتا تھا۔ ایک لمحے کے لئے یہ ماجرا دیکھ کر بیربل ٹھٹھک گیا۔ اس نے نظر اٹھا کر چاروں طرف ایک گہری نگاہ ڈالی اور اس کے بعد سیدھا شاہ ایران کے پاس پہنچ گیا اور اسے جھک کر سلام کرنے لگا۔

شاہ ایران حیران رہ گیا۔ اس نے بیربل سے پوچھا ''تم نے مجھے کیسے پہچان لیا؟''

بیربل بولا ''حضور! بالکل سیدھی سی بات ہے۔ میں جب حیران کھڑا سوچ رہا تھا تو اس وقت تمام دوسرے حضرات آپ کی جانب دیکھ رہے تھے لیکن آپ سیدھے میری جانب دیکھ رہے تھے۔ اس سے میں فوراً بھانپ گیا کہ اصلی شاہ کون ہے۔''

شاہ ایران بیربل کی ذہانت سے خوش ہو گیا اور اسے نہایت قیمتی تحفے دے کر رخصت کیا۔

چار اُنگل

ایک مرتبہ اکبر نے بیربل سے دریافت کیا ''سچ اور جھوٹ میں کتنا فرق ہے؟''

''حضور! چار انگل کا'' بیربل نے جواب دیا۔

''وہ کیسے؟'' اکبر بادشاہ نے پوچھا۔

''جہاں پناہ سچ کو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جھوٹ کو کانوں

سے سنتے ہیں۔ آنکھ اور کان کا فاصلہ صرف چار انگلی کا ہے۔''

بیربل کے اس جواب سے بادشاہ خوش ہوگیا۔

بان

ایک دن اکبر بادشاہ نے بیربل سے کہا ''جس لفظ کے آخر میں 'بان' ہوتا ہے وہ کوئی بلند مرتبہ آدمی نہیں ہوتا، مثال کے طور پر دربان، فیل بان، گاڑی بان اور شتر بان وغیرہ۔''

بیربل نے سر جھکا کر جواب دیا ''بجا ارشاد فرمایا مہربان!''

بادشاہ بیربل کے جواب پر بے ساختہ ہنس پڑے۔

ملازمت

ایک مرتبہ اکبر بادشاہ نے بیربل کو کچھ وقت کے لیے ملازمت سے الگ کردیا۔ بیربل ملازمت کی تلاش میں ایک رئیس کے گھر پہنچا۔ رئیس نے کہا ''آپ کی قابلیت کا مجھے اعتراف ہے آپ میرے بچوں کو پڑھایا کیجیے۔''

بیربل نے دریابت کیا ''میری تنخواہ کتنی ہوگی'' رئیس نے جواب دیا ''پچاس روپے ماہوار'' بیربل نے پھر پوچھا ''آپ اپنے کوچوان کو کتنی تنخواہ دیتے ہیں؟'' رئیس نے کہا ''سو روپے ماہوار۔''

بیربل نے برجستہ جواب دیا ''پھر آپ اپنے بچوں کو کوچوانی کی تعلیم دلایئے۔ پڑھا لکھا کر پچاس روپے کی ملازمت کرانے سے کیا فائدہ؟''

بڑائی کا پیمانہ

کہتے ہیں ایک دن بیٹھے بیٹھے اکبر بادشاہ کے دل میں ایک خیال آیا اور انھوں نے درباریوں سے پوچھا کہ بتاؤ میں بڑا ہوں یا اللہ میاں؟

سوال سنتے ہی دربار میں سناٹا چھا گیا۔ مگر دربار میں بیربل بھی موجود تھا۔ اس نے ایک دم کھڑے ہوکر کہا ''حضور! آپ بڑے ہیں اللہ میاں سے، کیوں کہ جو کام اللہ میاں سے نہیں ہوسکتا وہ آپ کرسکتے ہیں۔''

اکبر بادشاہ یہ سن کر چونک گئے اور بولے ''بے وقوف تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ تم کہتے ہو کہ جو کام اللہ میاں سے نہیں ہوسکتا وہ ہم کرسکتے ہیں۔''

''جی ہاں جہاں پناہ'' بیربل نے اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

کچھ درباری بیربل سے جلتے تھے۔ ایک درباری نے کہا ''جو کام اللہ میاں نہیں کرسکتے... تو پھر وہ کوئی برا کام ہوگا۔''

بیربل نے کہا ''تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہمارے شہنشاہ کوئی برا کام کرسکتے ہیں۔''

درباری کا چہرہ فق ہوگیا اور وہ بادشاہ سے معافی مانگنے لگا۔ بیربل نے بے چارے درباری کی سیدھی سادی بات کو نہ جانے کہاں پہنچا دیا تھا۔

اکبر بادشاہ نے درباری کو تو معاف کردیا لیکن بیربل کو نہیں چھوڑا اور بولے ''ادھر ادھر کی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ تم تو مجھے یہ بتاؤ کہ ایسا کون سا کام ہے جو اللہ میاں نہیں کرسکتے۔''

''کیا آپ کسی آدمی کو سزا دینے کے لیے اسے ملک بدر کرسکتے ہیں۔'' بیربل نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں، اگر کسی شخص نے سنگین جرم کیا ہے تو میں اسے ہمیشہ کے لیے ملک سے نکال سکتا ہوں۔'' اکبر نے بڑے فخر سے جواب دیا۔

بیربل نے کہا ''لیکن جہاں پناہ اگر اللہ میاں کسی سے ناراض ہوکر اسے یہ سزا دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے ہیں۔''

''کیوں نہیں؟'' اکبر نے حیرت سے پوچھا۔

''اس لیے کہ اللہ میاں اس شخص کو کہاں نکالیں گے۔ اُن کی بادشاہت تو ہر جگہ ہے۔ اللہ میاں کتنا ہی چاہیں کہ کسی کو اپنی مملکت سے

نکال دیں، لیکن وہ اس کو کہاں بھیجیں گے۔ دنیا کے ہر کونے میں ان کی حکومت ہے۔ اس لیے میں نے عرض کیا تھا کہ بعض کام ایسے ہیں جو اللہ میاں کے بس سے باہر ہیں۔ لیکن اگر جہاں پناہ چاہیں تو کر سکتے ہیں۔''

یہ جواب سن کر اکبر بادشاہ بہت خوش ہوئے اور دوسرے درباری جو بیربل کو نیچا دکھانا چاہتے تھے بے حد شرمندہ ہو گئے۔

شاہی مہر

اکبر بادشاہ اکثر بھیس بدل کر شہر میں گھومتے رہتے تھے۔ بیربل کو یہ پسند نہیں تھا کیونکہ وہ اس کو خطرناک سمجھتا تھا۔ ایک دن اکبر نقلی داڑھی لگا کر روانہ ہونے لگے تو بیربل سے کہا ''اچھا بیربل! اب میں چلتا ہوں۔''

بیربل نے کہا ''جہاں پناہ! آپ کو یہ عادت چھوڑ دینی چاہیے۔ ایک شہنشاہ کی زندگی بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت اچھی طرح کرنی چاہیے۔''

لیکن اکبر رعایا کا حال جاننے کے کام پر چل دیے۔ تھوڑی دیر بعد جب اکبر بادشاہ ایک سڑک پر چلے جا رہے تھے تو انہیں محسوس ہوا کہ کوئی ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ اکبر بادشاہ رک گئے۔ جو شخص اکبر کا پیچھا کر رہا تھا وہ بھی رک گیا اور ایک دکان کی طرف یوں ہی دیکھنے لگا۔ اکبر نے جا کر اس شخص سے پوچھا ''کیا نام ہے تمہارا؟''

اجنبی شخص بولا ''سیلانی''

اکبر نے پوچھا ''کیا کام کرتے ہو؟''

اجنبی شخص بولا ''بس گھومتا رہتا ہوں۔''

اکبر نے پھر پوچھا ''کہاں رہتے ہو؟''

اجنبی شخص بولا ''ہر جگہ''

اکبر بادشاہ کو ان جوابات سے اتنا غصہ آیا کہ وہ بھول گئے کہ اس وقت وہ بھیس بدلے ہوئے ہیں۔ اکبر نے کہا ''جانتے ہو میں کون ہوں؟''

اجنبی شخص نے انہیں نیچے سے اوپر دیکھتے ہوئے کہا ''ایک عام انسان، جیسے باقی سب ہوتے ہیں۔''

اکبر کو اور بھی طیش آ گیا۔ انہوں نے شاہی مہر نکالی اور اجنبی کو دکھا کر بولے ''میں ایک شہنشاہ ہوں، یہ دیکھو میری شاہی مہر''

اجنبی نے مہر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا ''ذرا میں بھی دیکھوں۔''

اکبر نے مہر اسے دے دی۔ اجنبی شاہی مہر کے ہاتھ میں آتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔

اب اکبر بادشاہ کو خیال آیا کہ وہ سخت حماقت کر بیٹھے ہیں۔ وہ زور سے چلّائے۔ ''چور چور... پکڑو پکڑو...''

لوگ اس آدمی کے پیچھے دوڑ پڑے اور آخر کار اسے پکڑ لیا۔ پکڑے جانے کے بعد اجنبی شخص چلّایا۔ ''بے وقوفو! تم لوگ جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں شہنشاہ ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے شاہی مہر جیب سے نکالی اور سب کو دکھا کر بولا۔ ''اب تم لوگوں کو مجھ پر یقین آ گیا ہوگا۔''

سب لوگ ایک ساتھ بول اٹھے ''جہاں پناہ! غلطی ہوگئی ہمیں معاف کیجئے۔ ہم لوگ ایک پاگل کے کہنے پر آپ کے پیچھے دوڑ پڑے تھے اور آپ کو پکڑ لیا۔''

یہ سن کر اکبر بادشاہ گھبرا گئے اور سوچنے لگے کہ بس اب محل واپس چلنا چاہئے ورنہ یہ لوگ مجھے مارنے لگیں گے۔ اب میری مدد صرف بیربل کر سکتا ہے۔ ان ہی خیالات میں ڈوبے ہوئے اکبر بادشاہ اپنے محل میں پہنچ گئے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گٹھری رکھی ہوئی ہے۔ اس کو جو کھولا تو اس کے اندر شاہی مہر رکھی ہوئی تھی اور ایک خط بھی اکبر بادشاہ کے نام تھا۔ خط میں لکھا تھا۔

''میں نہ کہتا تھا کہ شہر میں اس طرح اکیلے جانا آپ کے لیے خطرناک ہے؟ شاہی مہر کھو جانے سے بھی بدتر حالات ہو سکتے ہیں۔

آپ کا خادم بیربل!''

میز پر کھانے کا رواج

ملا دوپیازہ بھی بیربل کی ہی طرح ایک عقل مند شخص تھا اور بیربل سے اس کا مقابلہ چلتا رہتا تھا۔ ایک دن اکبر بادشاہ کے دربار میں یہ

بحث چھڑ گئی کہ میز پر کھانے کا رواج کب سے شروع ہوا، اور کس قوم نے شروع کیا۔ سوال دل چسپ تھا۔ اکبر اعظم کے نورتن جواب ڈھونڈھنے کے لیے اپنے دماغوں پر زور دے رہے تھے۔

بیربل نے کہا ''میرے خیال سے میز پر کھانے کا رواج انگریز قوم نے سب سے پہلے شروع کیا۔''

ملا دوپیازہ نے کہا ''حضور بیربل کا جواب غلط ہے، یہ رواج

سب سے پہلے ایرانی قوم میں جاری ہوا۔ جس کی دلیل فارسی زبان کا لفظ 'میزبان' ہے۔ جب سے میز پر کھانا شروع ہوا تبھی سے ایران میں یہ لفظ بھی بنا ہوگا۔'' □

سلطان احمد ساحل نیو ڈی ایس کیبل فلیٹ نمبر 34 لائن نمبر 1، کیبل ٹاؤن،
پوسٹ: گوبلوری، جمشید پور 831003 (جھارکھنڈ)

□ رضا جعفری

بابا کا تحفہ

میرے بیٹے شوکت نے وہ شال پہلگام میں خریدی تھی۔ اس کو یہ شال کیسے پسند آ گئی اس بات پر سب کو تعجب تھا۔

میں نے ہنس کر پوچھا ''بیٹا! شال تو تم نے خرید لی، اب یہ بتاؤ اس کا کرو گے کیا؟ تمہارے پاس تو بہت گرم کپڑے ہیں۔''

جواب میں وہ چپ رہا، میں نے دوبارہ پوچھا تو آہستہ سے بولا ''یہ شال تو میں نے بابا کے لیے لی ہے۔''

''اوہ! بابا کے لیے، اب میں سمجھا، انہوں نے تم سے کہا ہوگا کشمیر سے میرے لیے شال لے کر آنا۔''

''نہیں! نہیں'' وہ گھبرا کر بولا ''بابا کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگتے، وہ تو ہمیشہ دیتے ہی رہتے ہیں۔''

شوکت کے اس بھولے سے جواب سے بابا کی صورت میری نگاہوں میں گھوم گئی۔ گورے، چٹے، لمبے سے۔ یہ بڑی بڑی فیلی سفید داڑھی، لیوٹالسٹائی کی طرح۔ اپنی بڑی سی کوٹھی میں وہ اکیلے رہتے تھے۔ ان کی کوٹھی کے اندر ایک بڑا سا باغ تھا جس میں دنیا بھر کے میٹھے اور خوشبودار پھل لگے تھے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ یہی وہ پھل تھے جو ان کے اور آس پاس کے بچوں کے درمیان رسا کشی کا سامان بنے ہوئے تھے۔ کبھی بچے جیت جاتے کبھی بابا۔

مگر بابا کے باغ سے پھل توڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے کہ بابا شاید ہی کبھی سوتے ہوں۔ ایسا لگتا وہ ہمیشہ جاگے رہتے ہیں کبھی باغ میں لکڑ بگھے کی طرح کود کود کر چلتے نظر آتے، کبھی لان میں کھڑے پہرہ دیتے اور کبھی اوپری منزل میں کھڑکیوں سے جھانکتے رہتے۔

مگر بچے تو پھر بچے ہیں، کہاں ماننے والے ہیں۔ جب کوئی بچہ دیوار پھاند کر یا پھاٹک پر چڑھ کر پھل توڑنے کے لیے اندر آتا تو بابا اس کو پھل کھانے کا موقع دیتے۔ پھر جب وہ لڑکا یہ سمجھتا کہ اس کو کوئی

نہیں دیکھ رہا ہے اور وہ اپنے پلان میں کامیاب ہوگیا ہے، اسی وقت بابا کسی چیل کی طرح جھپٹا مارتے۔ اب یا تو بچے گرتے پڑتے بھاگ جاتے تو کوئی بات نہیں، مگر جو بچہ ان کی پکڑ میں آجاتا اس کو وہ کوٹھی کے اندر لیجا کر کسی کمرے میں بند کردیتے۔ اس دن وہ خوب ناچتے گاتے۔ مگر دو چار گھنٹے کے بعد جب اس بچے کو گھر جانے کی اجازت ملتی تو اس طرح کہ پھلوں کے ساتھ اس کی جیبیں چاکلیٹ اور بسکٹ سے بھری ہوتیں۔ کبھی کبھی وہ کسی بچے کی جیب میں روپے بھی رکھ دیتے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بچے باغ میں آتے، اپنی پسند کے پھل توڑ کر کھاتے، اس انتظار میں رہتے کہ بابا کسی طرف سے آئیں گے اور ان کو دور تک دوڑائیں گے۔ مگر بابا نہیں آتے۔ اس دن بچے اداس ہوجاتے، پھل کھانا بھول جاتے۔ بابا جی آس پاس نہ ہوں تو پھل کھانے میں کیا مزہ۔ بچے ان کو ڈھونڈھتے ہوئے ان کی سنسان کوٹھی میں اندر تک چلے جاتے۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں۔ بابا نیچے نہیں ملتے تو ڈرتے ڈرتے سب اوپر کی منزل میں پہنچ جاتے۔ اس دن کسی نہ کسی کمرے میں بابا لیٹے ہوئے ملتے۔ تیز بخار میں جلتے ہوئے یا درد سے کراہتے ہوئے۔ بچے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیتے۔ کوئی ہاتھ دباتا، کوئی پیر، کوئی بچہ دوڑ کر ڈاکٹر کو بلا لاتا۔

اس طرح وہ جلدی سے جلدی بابا کو ٹھیک کر لیتے اور بابا کے ٹھیک ہوتے ہی پھر وہی چوہے بلی کا کھیل شروع ہوجاتا۔

بابا کے بارے میں لوگ طرح طرح کی کہانیاں سناتے، کوئی انھیں بھوت کہتا، کوئی جادوگر، کوئی پاگل کہتا اور کوئی دیوانہ۔ اس لیے بابا کو جس نے بھی دیکھا تھا ایسا ہی دیکھا تھا۔

ایک کہانی یہ بھی تھی کہ یہ کھیل اس دن سے جاری تھا جب سے بابا کے اپنے بچے ان کو اکیلا چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں جا بسے تھے۔

ایسے تھے بابا جن کے لیے شوکت نے شال خریدی تھی۔ ایک ہفتہ کشمیر میں گذارنے کے بعد جب ہم گھر آئے تو شوکت وہ شال لے کر بابا کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ بچے تو کوٹھی پر بہت تھے مگر آج سب اداس اور خاموش تھے۔ سب کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ بابا اب اس دنیا میں نہیں رہ گئے تھے۔

شوکت گھر لوٹا تو بہت اداس تھا۔ وہ شال ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔ میں نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''بیٹا! غم نہ کرو۔ اب اس شال کو بابا کا تحفہ سمجھو۔ یہ ہمیشہ تم کو ان کی یاد دلاتی رہے گی اور ان کی طرح اپنے ملک اور اس کے لوگوں سے پیار کرنے کا سبق پڑھاتی رہے گی۔''

ایک دن جب سردی بہت پڑ رہی تھی ہر طرف برفیلی ہوائیں چل رہی تھیں شوکت اسکول سے لوٹتے ہی سیدھا اپنے کمرے میں گیا اور وہی شال نکال کر تیزی سے باہر جانے لگا۔

میں نے جاننے کے لیے کہ وہ کیا کرنے والا ہے کھڑکی سے جھانکا، سامنے پوسٹ آفیس کے کھمبے سے ٹیک لگائے ایک بوڑھی بھکارن سردی میں کانپ رہی تھی۔ میں نے دیکھا شوکت سڑک پار کر کے دوڑتا ہوا گیا اور اس قیمتی گرم شال کو بوڑھی بھکارن کے کندھوں پر ڈال دیا۔ بوڑھی بھکارن نے دعائیں دیتے ہوئے سر اٹھا کر شوکت کی طرف دیکھا تو یکایک میری نگاہوں کے آگے بابا کا چہرہ گھوم گیا۔ وہ چہرہ جو خوشی سے مسکرا رہا تھا۔ □

Raza Jafri
178/50 Maqbara Gola Ganj Lucknow-18 UP

وکیل نجیب

بکری کا بچہ

کار اپنی پوری رفتار سے چلی جارہی تھی۔ سڑک ہموار اور سپاٹ تھی۔ ٹریفک سے خالی سڑک پر کار چلاتے ہوئے ڈاکٹر میمونہ بڑی فرحت محسوس کررہی تھیں۔ بغل میں ان کی چھ سال کی بچی شفیعہ بیٹھی ہوئی تھی۔ نرم اسفنج کی بڑی سی گڑیاں اس کی بانہوں میں تھی۔ وہ لوگ شہر سے کافی دور نکل آئے تھے۔ جنگل شروع ہو چکا تھا اور جنگل کے بیچ سے گذرتی ہوئی یہ قومی شاہراہ National Highway تھی، جس پر ہر دو منٹ تین منٹ کے بعد ٹرک، بس یا کاریں دَن دَن گزرتی رہتی تھیں۔

ڈاکٹر میمونہ کا میکہ دوسرے شہر سیونی کے پاس کے ایک گاؤں میں تھا۔ انھیں صبح خبر ملی کہ ان کے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا اور سیونی کے کسی اسپتال میں انھیں داخل کیا گیا ہے۔ وہ فوراً اپنی بیٹی کو لے کر انھیں دیکھنے کے لئے نکل پڑیں۔ ان کے شوہر بھی ڈاکٹر ہیں۔ دونوں مل کر شہر میں نرسنگ ہوم چلاتے ہیں۔ ان کا ایک بیٹا بھی ہے جو دسویں جماعت میں پڑھتا ہے۔ بیٹے کو اس کے والد کے پاس چھوڑ کر وہ اپنے والد کا حال جاننے کے لیے اپنی کار لے کر نکل پڑیں۔ جنگل ختم ہوا تو کھیتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک جگہ انھوں نے دیکھا کہ بکری کا ایک بچہ سڑک پر پڑا ہوا تھا۔ شاید کسی گاڑی نے اسے ٹکر ماری تھی۔ انھوں نے اپنی کار ایک طرف کھڑی کی۔ بکری کے بچے کو دیکھا وہ بے ہوش تھا۔ انھوں نے بکری کے بچے کے منہ پر اپنی پانی کی بوتل سے پانی کے چھینٹے مارے۔ بکری کا بچہ ہوش میں آ گیا۔ آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ انھوں نے بکری کے بچے کو اپنی گاڑی میں ڈال لیا۔ سفید صحت منداور بہت ہی خوبصورت بکری کا بچہ تھا۔ ان کی بیٹی پہلے تو اس سے ڈری پھر اسے اپنی گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ آگے گاؤں میں ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ انھوں نے سوچا کہ بکری کے بچے کے لیے کچھ ٹوسٹ اور بسکٹ لے لیں۔ انھوں نے ہوٹل سے کچھ دوری پر اپنی گاڑی کھڑی کی۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ ہوٹل میں ڈھائی تین سال کی ایک بچی ایک بینچ پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ کچھ لوگ اسے شہر لے جانے کی بات کررہے تھے۔ لڑکی کا باپ جو ایک نوجوان کسان تھا گھبراہٹ سے پسینے پسینے ہورہا تھا۔ ڈاکٹر میمونہ نے سب کو ایک طرف کیا۔ لڑکی کے پپوٹے، آنکھ وغیرہ کا معائنہ کیا۔ بخار سے اس کا برا حال تھا۔ انھوں

نے فوراً اپنی گاڑی سے دواؤں کا بیگ نکالا اور ہوٹل میں آ کر انھوں نے بچی کی کمر میں انجکشن لگا دیا۔ پھر ایک پاؤڈر کا پیکٹ لڑکی کے والد کو دیا اور کہا کہ ابھی 15 منٹ میں بچی جاگ جائے گی۔ دودھ میں ملا کر یہ پاؤڈر اسے تھوڑا تھوڑا پلاتے رہنا۔ لڑکی ٹھیک ہو جائے گی۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ اتنا کہہ کر وہ اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئیں اور اپنے والد کو دیکھنے سیونی کی سمت روانہ ہو گئیں۔

وہاں پہنچ کر انھوں نے دیکھا کہ ان کے والد کو اسپتال کے خاص نگرانی والے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر میمونہ نے انھیں دیکھا ان کی طبیعت وغیرہ کی معلومات لی۔ ڈاکٹر سے مل کر بھی معلومات حاصل کیں۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ ہلکا سا دل کا دورہ تھا۔ ابھی خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ان کے والد بھی مکمل ہوش و حواس میں تھے۔ ان کی والدہ اور بھائی بھی وہیں موجود تھے۔ سب سے ملاقات کر کے کچھ دیر رک کر وہ اپنے والد کے گھر آ گئیں۔ 9 گھنٹے مسلسل کار چلاتے رہنے سے وہ تھک گئی تھیں۔ گھر پہنچ کر انھوں نے آرام کیا۔ بکری کا بچہ ان کے ساتھ ہی تھا۔ اب وہ ان کی بیٹی سے کافی گھل مل گیا تھا۔

رات بھر وہاں آرام کرنے کے بعد وہ پھر سے صبح اسپتال پہنچ گئیں۔ اب ان کے والد کو جنرل روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ ان کے والد اپنی بیٹی اور نواسی کو دیکھ کر بہت خوش تھے۔ بکری کا بچہ اب بھی ان کے ساتھ تھا۔ ان کی بچی اسے اپنے سے الگ ہی نہیں کر رہی تھی۔ ڈاکٹر میمونہ نے بکری کا بچہ ملنے کی بات اپنے والدین کو بتائی۔

اسی روز ان کے والد کے اسپتال سے چھٹی ہوئی۔ وہ انھیں لے کر گھر آ گئیں۔ وہ پھر اپنے والد کے گھر میں ہی رہیں۔ ان کے والد کی طبیعت ٹھیک ہو گئی تھی اس لیے انھوں نے سب کو کہہ دیا کہ کل صبح وہ یہاں سے چلی جائیں گی۔ ان کے میکے کے سارے لوگوں کو ان کی مصروفیات کا علم تھا۔ کسی نے ان سے وہاں روکنے کی ضد نہیں کی۔

دوسرے دن صبح ڈاکٹر میمونہ اپنی کار سے شہر کی سمت روانہ ہو گئیں واپسی میں وہ اس ہوٹل کے پاس آئیں جہاں انھوں نے بے ہوش بچی کو دیکھا تھا۔ انھوں نے ہوٹل والے سے پوچھا کہ اب اس بچی کی طبیعت کیسی ہے؟ ہوٹل والے نے بتایا کہ بچی تو اس دن ٹھیک ہو گئی تھی لیکن کل پھر سے اس کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔

ڈاکٹر میمونہ نے پوچھا کہ اس کا گھر کہاں ہے؟

ہوٹل والے نے بتایا کہ یہیں قریب میں اس کا گھر ہے۔

ڈاکٹر میمونہ نے کہا ''چلو مجھے اس کے گھر لے چلو۔''

ڈاکٹر میمونہ نے کار میں سے اپنی بچی کو اتارا وہ بکری کا بچہ اب بھی ان کی بیٹی کے پاس تھا۔ ہوٹل والے نے بکری کے بچے کو دیکھا تو بہت حیران ہوا اور ڈاکٹر میمونہ سے پوچھا ''میڈم یہ بکری کا بچہ آپ کو کہاں ملا؟''

ڈاکٹر میمونہ نے کہا ''یہاں سے قریب کے جنگل کی سڑک پر یہ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر اپنی کار میں رکھ لیا۔ اب یہ بالکل ٹھیک ہے کیا تم اسے پہچانتے ہو؟''

ہوٹل والے نے کہا ''میڈم جس لڑکی کا آپ نے علاج کیا تھا یہ بکری کا بچہ اسی لڑکی کا ہے۔ اس کے گم ہو جانے سے اس کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ ابھی وہ بکری کے بچے کو دیکھے گی تو خوش ہو جائے گی۔''

وہ تھوڑی دیر میں اس بچی کے گھر پہنچ گئیں۔ لڑکی کا باپ نوجوان

کسان دروازے پر ہی ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر میمونہ کو دیکھ کر وہ کھڑا ہوگیا اور بکری کے بچے کو دیکھ کر خوشی سے اس کی طرف لپکا اور بکری کے بچے کو اپنی گود میں اٹھالیا۔ یہ دیکھ کر شفیعہ ڈاکٹر میمونہ سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔

بیمار لڑکی کے باپ نے کہا ''ڈاکٹر صاحبہ، یہ بکری کا بچہ آپ کو کہاں ملا؟ اسی کی وجہ سے میری بیٹی بیمار ہوئی، آیئے اندر آیئے، دیکھئے اس کی حالت کیا سے کیا ہوگئی ہے۔''

ڈاکٹر میمونہ نے اندر جاکر دیکھا ایک چارپائی پر وہ لڑکی بے سدھ پڑی سوئی تھی۔ بخار سے اس کا بدن تپ رہا تھا۔ آنکھیں اس کی بند تھیں، ڈاکٹر میمونہ نے اس کی جانچ کی پھر وہ اپنی کار سے دوائی کی پیٹی لے کر آئیں۔ انھوں نے لڑکی کو انجکشن لگایا اور وہیں بیٹھ گئیں۔ دس منٹ میں لڑکی کو ہوش آگیا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں، ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بکری کے بچے پر اس کی نظر پڑی تو ایک عجیب طرح کی خوشی سے اس کا چہرہ منور ہوگیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن کمزوری کی وجہ سے اٹھ نہ سکی۔ لڑکی کا باپ بکری کے بچے کو اس کی چارپائی کے قریب لے آیا۔ وہ محبت سے بکری کے بچے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ بچہ بھی اسے دیکھ کر ممیانے لگا اور تھوڑی دیر میں ہی ایسا لگنے لگا گویا بچی کی بیماری ختم ہوگئی ہو۔ وہ اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر میمونہ نے اسے پانی پلایا۔ ان کے پاس بسکٹ کے پیکٹ تھے وہ انھوں نے لڑکی کو کھانے کو دیئے جو اس نے تیزی سے کھالیے اور صرف ایک گھنٹے میں لڑکی بالکل صحت مند نظر آنے لگی۔

ادھر شفیعہ بکری کے بچے کے بچھڑ جانے سے رونی صورت لیے ڈاکٹر میمونہ سے لپٹی جارہی تھی۔ ڈاکٹر میمونہ نے پھر سے بیمار بچی کا معائنہ کیا اور اس کے والد سے کہا ''بچی اب بالکل ٹھیک ہے۔ اسی بکری کے بچے کی جدائی سے اسے صدمہ ہوا اور یہ بیمار ہوگئی تھی۔'' پھر انھوں نے بیمار بچی کے والد سے پوچھا ''اس کی ماں کہاں ہے؟''

بیمار بچی کے والد نے کہا ''دو مہینہ پہلے اس کی ماں کا انتقال ہوگیا ہے۔ یہ بہت اداس رہتی تھی میں نے یہ بکری کا بچہ لاکر اسے دیا۔ اسے پاکر وہ اپنی ماں کے مرنے کا غم بھول گئی۔ پرسوں یہ بکری کا بچہ کہیں بھاگ نکلا بس یہ بیمار ہوگئی۔ اچھا ہوا آپ کو یہ بکری کا بچہ مل گیا اور اب اسے پاکر اس کی طبیعت ٹھیک ہوگئی ہے۔''

ڈاکٹر میمونہ نے کہا ''تم اس کی دیکھ بھال کیسے کرتے ہو۔ تمہارے گھر پر تو کوئی نہیں ہے۔ کام پر جاتے ہو تو لڑکی کو کہاں چھوڑ کر جاتے ہو؟''

کسان نے کہا ''سال بھر پہلے میری ماں گذر گئی، پھر اس کی ماں کے مرجانے سے میرے لیے بڑی پریشانی بلکہ بہت بڑی مصیبت کھڑی ہوگئی۔ اس لڑکی کی وجہ سے میں نہ تو ٹھیک سے کام کررہا ہوں نہ ٹھیک سے سو پارہا ہوں۔ اچھا ہوا کہ اس بکری کے بچے میں اس کا دل لگ گیا میری بہت بڑی پریشانی دور ہوگئی۔''

ڈاکٹر میمونہ نے کہا ''اچھا ہم چلتے ہیں'' اتنا کہہ کر وہ گھر سے نکل

کر باہر آ گئیں۔ مگر ان کی بیٹی باہر آ کر بلک بلک کر رونے لگی۔ کسان نے کہا ''یہ آپ کی بیٹی کو کیا ہو گیا؟''

انھوں نے کہا ''یہ بھی اس بکری کے بچے کے لیے رو رہی ہے۔ دو دن میں اس کا دل بھی اس بکری کے بچے سے لگ گیا ہے۔'' ان کی بات چل ہی رہی تھی کہ بکری کا بچہ چار پائی سے کود کر ڈاکٹر میمونہ کی بیٹی کے پاس آ گیا۔ کسان کی لڑکی بھی دوڑتی بھاگتی آئی اور اس نے بکری کے بچے کو جلدی سے اپنی گود میں اٹھالیا۔

ڈاکٹر میمونہ، کسان اور ہوٹل والا اس منظر کو تعجب سے دیکھ رہے تھے کہ دونوں لڑکیاں بکری کے بچے کی محبت میں دیوانی ہوئی جارہی ہیں۔ ڈاکٹر میمونہ نے اپنی بیٹی سے کہا ''بیٹی چلو میں تم کو اس سے اچھا بکری کا بچہ دلوادوں گی۔''

لیکن اس کا رونا کسی طرح بند نہیں ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر کسان نے اپنی بیٹی کے ہاتھ سے بکری کا بچہ چھین لیا اور ڈاکٹر میمونہ کی بیٹی کی گود میں دے دیا اور کہا ''ڈاکٹر صاحب آپ یہ بچہ لے جائیں میں اپنی بیٹی کو دوسرا بکری کا بچہ دلا دوں گا۔''

لیکن کسان کی بیٹی زمین پر لوٹ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی۔

کچھ سوچ کر ڈاکٹر میمونہ نے نوجوان کسان سے کہا ''دیکھو میں جو بات تم سے کہنے جارہی ہوں اس کا کوئی غلط مطلب نہیں نکالنا۔ یہ تمہاری بچی کی بھلائی کے لیے کہہ رہی ہوں۔ تم ایسا کرو کہ اپنی بیٹی اور بکری کا بچہ مجھے دے دو۔ میں تمہاری بیٹی کی پرورش اپنی بیٹی کی طرح کروں گی۔ یہاں اس ماحول میں ٹھیک سے پرورش نہیں ہو پائے گی۔''

کسان حیرت سے ڈاکٹر میمونہ کی صورت دیکھنے لگا۔ ہوٹل والے نے کہا ''شامو! میڈم کو اپنی بچی اور بکری کا بچہ دے دے۔ میڈم تیری بچی کو اپنے گھر میں اچھی طرح رکھیں گی۔''

شامو کو بھی اس میں بچی کی بھلائی نظر آئی۔ تھوڑی دیر سوچ کر اس نے کہا ''ڈاکٹر صاحب اگر آپ اس کو اپنی بچی کی طرح رکھیں گی تو میں اسے دینے کے لئے تیار ہوں لیکن کبھی کبھی میں بھی اس سے ملنے آیا کروں گا۔''

ڈاکٹر میمونہ نے کہا ''ہاں، ہاں، کیوں نہیں۔ وہ تو تمہاری ہی بیٹی ہے۔ تمہاری ہی رہے گی۔ ہم تو صرف اس کی پرورش کریں گے اور اگر تم کو اچھا لگے لگا اور یہ بھی چاہے گی تو تم اسے اپنے ساتھ کبھی بھی لے کر چلے جانا۔''

شامو اس بات پر راضی ہو گیا۔ ڈاکٹر میمونہ نے اسے اپنا کارڈ دیا اور اس سے کہا ''یہ میرا پتہ ہے، کبھی بھی آ کر تم اپنی بیٹی سے مل سکتے ہو۔''

ڈاکٹر میمونہ نے دونوں بچیوں کو اور بکری کے بچے کو کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور شہر کی طرف روانہ ہو گئیں۔ دونوں بچیاں بکری کے بچے سے پچھلی سیٹ پر کھیل رہی تھیں۔ بکری کا بچہ دونوں بچیوں کے درمیان بیٹھا خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ □

Dr Wakeel Najeeb
Najeeb Manzil Near Laal School Momin Pura
Nagpur Maharashtra-244001

□ بابو آر کے

پیار کے رنگ

رام دین اور احمد بیگ، گاؤں کے خوش حال لوگ کہلاتے تھے۔ بہت دنوں سے دونوں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے، اور ایک دوسرے کے پڑوسی بھی تھے۔ رام دین کا لڑکا موہن اور احمد بیگ کا بیٹا رحیم دونوں ہم عمر دوست تھے، یہ دونوں ایک ساتھ کھیلتے کودتے اٹھتے بیٹھتے اور ساتھ ساتھ ہی اسکول آتے جاتے تھے۔ شادی بیاہ، سکھ دکھ اور تیج تہوار پر دونوں خاندانوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا رہتا تھا۔ عید کے دن رام دین کا سارا گھر شیر خُرما، پھینیاں اور سوئیاں کھانے احمد بیگ کے گھر آتا اور دسہرے کے پکوان اور دیوالی کی مٹھائیاں کھانے احمد بیگ کا خاندان رام دین کے باڑے میں جاتا۔ عید میلاد کی کھیر اور پولے کے دن بنی نرم وگداز پورن پولیوں کا تبادلہ بھی ہوا کرتا۔ عید کے دن رحیم نئے نئے کپڑے پہنے جھومتا گاتا رام دین کو سلام کرنے جاتا اور جواب میں رام دین اس کی ہتھیلی پر چمچاتے سکوں کی عیدی رکھ دیتے۔ اسی طرح دسہرے کے دن موہن پیار سے احمد بیگ کو ہرے پتوں کے روپ میں سونا دیتا اور ان سے ڈھیر ساری دعائیں لیتا۔ پولے کے دن موہن مٹی کا رنگ برنگا بیل لے کر رحیم کے گھر جاتا اور احمد بیگ سے پیسے وصول کرتا۔ اسی طرح ہر سال راکھی کے دن رحیم کی کلائی پر موہن کی بہن سنہری راکھی باندھتی اور جب کبھی موہن کو سفر پر جانا ہوتا تو اس کے بازو پر رحیم کی بہن امام ضامن باندھتی۔ اس طرح یہ دونوں گھرانے شیر وشکر کی طرح زندگی گذارتے آئے تھے۔

لیکن جیسے جیسے ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں فرقہ پرستی کا زہر پھیلا ویسے ویسے ان دونوں گھروں کے برتاؤ میں بھی تبدیلی آنے لگی۔ مندر مسجد کے جھگڑے نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں کو بانٹ دیا تھا۔ بھائی چارے کے رشتے کو چیر دیا تھا۔ ملک میں شہر شہر گاؤں گاؤں سبز پرچم اور بھگوے جھنڈے لہرانے لگے تھے۔ اللہ اکبر اور جئے بھوانی کے نعرے گونجنے لگے تھے۔ پھر یہ بھی ہوا کہ بھگوے اور سبز رنگوں نے بہت سارے گھرانوں کی طرح ان دونوں گھرانوں پر چڑھے دوستی اور محبت کے گہرے رنگوں کو کھرچ کر پھینک دیا۔ دھیرے دھیرے نفرت اور دشمنی، بے اعتمادی اور بدگمانی ان دونوں گھرانوں میں بھی پنپنے لگی۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود موہن اور رحیم کی دوستی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ ان کا کھیلنا کودنا، جھومنا گھومنا، اٹھنا بیٹھنا بالکل پہلے جیسا ہی تھا۔ مگر ان دنوں اکثر ایسا ہونے لگا تھا کہ جب کبھی دونوں کو گھر کا کوئی بڑا، ساتھ ساتھ دیکھ لیتا تو ڈانٹ ڈپٹ کر الگ کر دیتا۔ پھر بھی چوری چھپے یہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے رہتے اور اپنے گھر والوں

کے خیالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہتے۔

پچھلے دنوں سے ان کے گھروں میں بھی ہندو مسلم اور مندر مسجد کے چرچے ہونے لگے تھے۔ مرنے مارنے کاٹنے جلانے کی باتیں بھی ہورہی تھیں۔ ان حالات میں بھی دونوں دوستوں نے ساتھ نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی دوستی اور گہری ہوگئی۔ جس دن گاؤں میں بہت زیادہ تناؤ تھا۔ اللہ اکبر اور جئے بھوانی کے نعرے گونجنے لگے تھے اس دن شام چھ بجے سبز ٹوپیاں پہنے کچھ نوجوان احمد بیگ کے گھر میں اور بھگوے رومال والے جوان رام دین کے باڑے میں آتے جاتے دیکھے گئے، اور ٹھیک دوسرے دن کی دوپہر میں احمد بیگ اور رام دین کے گھروں میں شور مچ گیا۔ ماتم اور ہائے ہائے کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ موہن اور رحیم دونوں بچے غائب تھے۔ بچوں کے لیے دونوں

گھر والوں نے رو رو کر برا حال کرلیا تھا۔ سارے گاؤں میں سوئی کی طرح ان کی تلاش ہوئی۔ بڑے پیر کی درگاہ اور ٹیکری والے مہادیو کے مندر میں ڈھونڈا گیا۔ ان کی کھوج میں ندے نالے ایک کیے گئے، کنوؤں میں جھانکا گیا، تالاب ٹٹولے گئے لیکن ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔

دونوں بچے کہاں ہوں گے یہ سوچ سوچ کر ان کے ماں باپ خون کے آنسو رو رہے تھے۔ دن بھر کی تلاش کے بعد رام دین اور احمد بیگ سمجھ گئے کہ ان کے بچوں کو غنڈوں نے اغوا کرلیا ہے یا پھر انہیں مار کر ان کی لاشیں کہیں پھینک دی گئی ہیں۔ بچوں کی جدائی اور ان کے غم نے دونوں گھروں میں صفِ ماتم بچھادی تھی۔ تمام رات کوئی نہ سو سکا۔ بچوں کی ایک ایک بات سب کو یاد آتی اور آنکھیں بھیگ جاتیں۔

دوسرے دن کا سورج، موذن کی اذان، مندر کی گھنٹیوں اور مرغ کی بانگ کے ساتھ شروع ہوا تو ایک نئی مصیبت اپنے ساتھ لایا۔ رام دین کے آنگن میں کاغذ کی ایک پرچی پائی گئی، کانپتے ہاتھوں اور بھاری دل کے ساتھ اسے پڑھا گیا۔ لکھا تھا:

رام دین! تم کو اگر اپنا بچہ زندہ چاہئے تو آج شام چھ بجے سے پہلے اپنے گھر پر لگے بھگوے جھنڈے کے ساتھ ہی سارے گاؤں میں لگے بھگوے جھنڈوں کو اتارنا ہوگا اور پھر ان جھنڈوں کو گرام پنچایت کے میدان میں جلا کر راکھ کرنا ہوگا۔ یہ کام شام چھ بجے سے پہلے نہ ہوا تو پھر تمہارے پیارے موہن کے شریر کے ٹکڑے تمہیں سمیٹنے ہوں گے۔

تحریر کے نیچے کسی کے دستخط نہیں تھے۔ تحریر پڑھ کر رام دین کے گھر والے لرز اٹھے۔ غور کرنے پر انھیں سبز پرچم والوں کی تمام سازش سمجھ میں آگئی۔ وہ گالیاں دیتے گئے اور گھروں پر سے بھگوے جھنڈے اتارتے گئے۔

تبھی لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ گاؤں میں لہراتے ہوئے

سبز پرچم بھی اتارے جارہے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ احمد بیگ کے گھر بھی دھمکی بھری تحریر پائی گئی تھی کہ شام تک ہرے جھنڈے نہ اتارے گئے تو رحیم کی لاش ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دی جائے گی۔

شام پانچ بجے گرام پنچایت کے میدان میں دونوں فرقوں نے بھگوے اور سبز پرچم کا ایک جگہ ڈھیر لگا دیا اور پھر اسے آگ لگادی۔

شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ مویشی جنگل سے اپنے گھر اور پرندے اپنے اپنے گھونسلوں کو لوٹ رہے تھے۔ تبھی بڑے پیر صاحب کی درگاہ اور مہادیو کے مندر کے درمیان سے موہن اور رحیم دونوں دوست ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے نکلے۔ اس وقت یہ دونوں اپنی کامیابی پر بہت زیادہ خوش تھے۔ سبز اور بھگوے رنگ کے اڑتے ہی رام دین اور احمد بیگ کے ساتھ دونوں فرقوں میں دوستی اور محبت کا رنگ ایک مرتبہ پھر سے گہرا ہونے لگا۔ □

Mr Babu RK
Qasid Pura Achal Pur City Distt Amrawati- 444806 MAHA.

محمد داؤد

تازہ چھیچھڑے

آج باتھ روم کا براس کارک ٹوٹا دیکھ کر کیا بتائیں ہم پہ کیا گذری۔ ابھی دو دن پہلے بلب ٹوٹا تھا اور آج یہ براس کارک۔ جی چاہ رہا تھا کہ ابھی جا کر ان پڑوس کے بچوں کی خوب پٹائی کروں۔ کم بخت اس قدر نقصان کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ سارے دن کھیلتے رہتے ہیں، اسکول جاتے ہوئے تو دم نکلتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا انہیں کٹی پتنگ کہیں یا شتر بے مہار۔

بہر حال ہم نے بیگم کو بلایا اور انہیں براس کارک دکھاتے ہوئے کہا، ''دیکھ لو اپنے پڑوس کے بچوں کی کرتوت۔ ابھی کچھ دن پہلے بلب توڑا تھا اور آج کسی وقت یہ براس کارک۔ کیسے کریں میرے بس کا پانی بھرنا نہیں ہے اب تم ہی بھر کر دو۔ اب تک تو میں نہا کر اپنے کام پر چلا جاتا۔ لاکھ دفعہ کہا ہے کہ ان پڑوس کے بچوں کو منہ مت لگاؤ، اپنے کوارٹر بند رکھو اور ہر وقت آرام ہی مت کرتی رہا کرو، دیکھو تو سہی یہ پیتل کا براس کارک تھا پلاسٹک کا ہوتا تو چلو صبر کر لیتا۔ اس آئے دن کی مصیبت سے تو اچھا ہے کہ کہیں اور جا کر رہ لیں۔ کیا کریں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

بیگم چپ چاپ ٹکٹکی باندھے ہماری طرف دیکھتی رہیں۔ ان کی خاموشی نے ہمارا پارہ اور چڑھا دیا۔ ''ہاں اب کیوں بولوگی اب اپنے اوپر بات آرہی ہے، اور منہ لگاؤ ان پڑوسیوں کو ہر وقت ان کے بچوں کو کچھ نہ کچھ دیتی رہتی ہو۔ کوئی چیز بنے بس تمہارے منہ کا تالا ایک دم کھل جاتا ہے۔ ذرا سے پھل شبّو کی بیٹی کو دے دو۔ لاؤ اتنی ساری ریوڑیاں کون کھائے گا؟ پڑوس کے بچوں میں بانٹ آتی ہوں۔ اور دیکھو یہ لاڈو کے گھر اس کی لڑکی کو، بسم اللہ کو دیکھنے کچھ لوگ آئے ہیں کھانا کھا رہے ہیں۔ حضور کی اجازت ہو نہ ہو میں یہ باقی زردہ لاڈو کو دے آتی ہوں۔ تمہاری اس رات دن کی فراخ دلی نے ہمارا سارا بجٹ فیل کر رکھا ہے۔ تم تو کسی حاتم طائی کے یہاں بیاہی جاتی اور اگر مجھے پہلے ہی کچھ ذرا سا بھی جناب کی خصلتوں کا پتہ چل گیا ہوتا تو ہرگز ہاں نہ کرتا چاہے ساری بارات واپس لانا پڑتی۔''

ہم نے براس کارک کے حوالے سے اپنے دل کی خوب بھڑاس

نکالی۔اس لیے کہ بہت دنوں سے کوئی بات ہی ہاتھ نہیں آرہی تھی اور پانی سر سے اونچا ہوتا جارہا تھا۔

آخر بیگم سے بھی نہ رہا گیا اور وہ بولیں، ''حضور یہ بلب اور براس کارک اور آپ کی کتابوں کی بے حرمتی نہ آپ کے بچے کا کام ہے اور نہ پڑوس کے بچوں کا۔ان بچاروں کا حال تو ان چوہوں جیسا ہے جو بلی کو دیکھ کر ایک دم بھاگ جاتے ہیں۔آپ بتائیں ایک مہینہ سے بھی زیادہ ہوگیا، کوئی پڑوس کا بچہ آپ کے پاس آیا۔ وہ کیا اور ان کے والدین کیا سب آپ کے مزاج سے خوب واقف ہوگئے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ کوئی بات ایسی نہ ہوجائے جس سے پڑوس کے تعلقات پر بُرا اثر پڑے۔ جناب عالی یہ سب آپ کی اس چہیتی خالہ بلی کی کرتوت ہیں جس کو آپ روزانہ گوشت لاکر کھلاتے ہیں۔ دودھ ڈبل روٹی کھلاتے ہیں۔رات کو بھی اسے دودھ پلائے بغیر نہیں سوتے۔خوب کیجیے اس کی سیوا، کوئی دن ایسا نہیں جاتا جو وہ نقصان نہ کرتی ہو۔کل پرسوں ہی دو کپ پلیٹ توڑ دیے۔آپ کے لائے ہوئے نہیں تھے میرے جہیز کے کپ پلیٹ تھے۔آپ کی اس لاڈلی کے کارن میر ابرسوں سے حفاظت سے رکھا ہوا سیٹ ٹوٹ گیا، اور وہ پچھلے جمعہ کو اس نے کیا کرتوت کی تھی وہ تو آپ کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہے۔ مہمانوں کے لئے شامی کباب تیار کیے تھے آپ کی بیٹی نے...اب تو میں اس بلی کو آپ کی بیٹی ہی کہوں گی...موقع دیکھ کر کبابوں میں منہ نہیں مارا بلکہ ساری پلیٹ گرادی اور میں دیکھتی رہ گئی۔ وہ تو بھلا ہو بسم اللہ کی ماں کا پکا پکایا قورمہ لے آئیں۔مہمانوں کو ذرا بھی نقصان کا احساس نہیں ہونے دیا۔اس وقت کوئی رشتہ دار آپ کا یا میرا کام نہیں آیا پڑوس ہی کام آیا۔آپ بلی کا جو چاہیں کریں لیکن میرے پڑوسیوں یا ان کے بچوں کو کچھ نہ کہیں۔آپ دیکھتے نہیں کہ کسی وقت یہ بچے کتنے گندے رہتے تھے، نہ بال ڈھنگ کے نہ ناخن صاف، دانتوں پر لگتا تھا کسی نے پیلا رنگ پھیر دیا ہے۔کبھی دوانگلی کا سلام بھی نہیں کرتے تھے۔قرآن ونماز تو دور کی بات رہی انہیں کلمہ تک بھی نہیں آتا تھا اب اللہ کا شکر ہے جب سے میں نے ان کے یہاں آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا شروع کیا ہے، کئی تبدیلیاں آگئیں ہیں، اور بہارن سکیرن جس کی زبان کا آپ بڑا مذاق اڑاتے تھے اب اپنی بات چیت میں کیسے اچھے الفاظ استعمال کرتی ہے اس کی تو آپ نے کاپی بھی دیکھی ہے جس پر وہ روزانہ نقل کرتی ہے۔

اب چپ کیوں ہوگئے بولتے کیوں نہیں بس آپ کو تو بلی پیاری ہے۔ ایک جانور سے پیار کریں گے جو ہر وقت نقصان پر تلا رہتا ہے ایک انسان سے پیار نہیں کریں گے۔جس کے سدھرنے کے ہر وقت امکان ہیں۔اچھا بہت کچھ ہوچکا۔ یہ لیجئے روزانہ جیب خرچ سے بچائے ہوئے دوسو روپیہ۔ایک درجن کپ لے آئیں۔کیونکہ اب کوئی بھی کپ صحیح سالم نہیں ہے اور ہمارے پڑوسیوں کے بچوں کے لئے کچھ مٹھائی اور یہ الگ سے پانچ روپے کا نوٹ لیجئے۔اس سے اپنی چہیتی کے لئے ہماری طرف سے تازہ چھیچھڑے لے آئیں۔'' □

Dr Mohd Daood
Multani Clinic Lohari Sarai, Nageena, Bijnore UP

ساحر کلیم

ایک گاؤں میں پانچ بھائی رہتے تھے، یوں تو پانچوں ہی امیر اور دولت مند تھے، مگر سب سے بڑا بھائی سب سے امیر تھا۔ دولت کے غرور میں وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ شراب، جوا، سٹہ، غرض کہ اس کو ہر بری عادت تھی، اور ان ہی بری عادتوں اور عیاشیوں کی وجہ سے وہ ایک دن سب سے غریب اور قلاش ہوگیا۔ شراب اور بری عادتوں نے اس کے جسم سے ساری طاقت چھین لی اور وہ لاغر اور کمزور ہوگیا۔ اب اسے کئی بیماریوں نے گھیر لیا تھا۔ کئی دن کی بیماری کی وجہ سے وہ بستر سے لگ گیا تھا۔ ایک روز اسے ایسا لگا کہ شاید اب وہ مرنے والا ہے۔ اس لئے اس نے اپنے چاروں بھائیوں کو اپنے پاس بلوایا اور کہنے لگا۔

''میں شاید اب مر رہا ہوں، میں نے اپنی ساری دولت عیاشی اور بری عادتوں میں لٹادی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کوئی بھی نیک کام نہیں کیا۔ مگر میں اب جاتے جاتے ایک نیک کام کرنا چاہتا ہوں۔ میری ساری دولت ختم ہوچکی ہے۔ مگر میرے پاس اب بھی ایک سونے کی اینٹ ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ اینٹ گاؤں کی بھلائی اور نیک کام میں لگائی جائے۔''

چاروں بھائیوں نے اسے یقین دلایا کہ وہ ویسا ہی کریں گے جیسا وہ چاہتا ہے۔ چاروں اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ اسی رات اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے کفن دفن کے بعد چاروں بھائی سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

بڑے بھائی کی نصیحت کے مطابق اب انھیں اس سونے کی اینٹ کو گاؤں کی بھلائی کے لیے استعمال کرنا تھا۔ چاروں بھائی باہمی مشورہ کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ سونے کی اینٹ ان کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔

ایک نے کہا: ''ہمارے گاؤں میں پانی کی بہت قلت ہے۔ اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ اینٹ کو ہم لوگ شہر جاکر بیچ آتے ہیں اور حاصل رقم سے گاؤں میں چار پانچ کنویں اور دو چار ٹیوب ویل لگوا دیتے ہیں۔ اس سے گاؤں کے لوگوں کو پینے کا پانی بھی مل جائے گا اور بھائی کی روح کو ثواب بھی حاصل ہوگا۔''

دوسرے نے کہا: ''یہ تو بہت اچھی بات ہے مگر کنویں کھدوانے

اور پانی کے انتظام کا کام تو گرام پنچایت کو کرنا چاہئے اور وہ کرے گی بھی۔ ہم کیوں کریں۔ نہیں اسے کسی دوسرے کام میں لاتے ہیں۔''

تیسرے بھائی نے فوراً اس بات کی تائید کردی۔ بغیر کسی نتیجے کے یہ نشست برخاست ہوگئی۔ دوسرے دن چاروں بھائی پھر جمع ہوئے۔ سونے کی اینٹ سامنے رکھی ہوئی تھی۔ سب سے چھوٹے بھائی نے کہا: ''گاؤں کے لوگوں کو آن ے جانے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ ہم دو چار بسیں اور ایک دو ٹیکسیاں خرید لیتے ہیں۔ اس سے ہمیں آمدنی بھی ہوگی اور گاؤں کے لوگوں کو راحت بھی پہنچے گی۔ ہم حاصل ہونے والی آمدنی سے لوگوں کی بھلائی کے کام بھی انجام دیتے رہیں گے۔''

''نہیں نہیں! گاؤں میں صبح اور شام دونوں وقت بس آتی ہے۔'' تیسرے بھائی نے کہا۔ ''ہم سرپنچ صاحب کو کہیں گے کہ بس کا ایک آدھ پھیرا اور بڑھا دیں۔ سونے کی اینٹ کا یہ استعمال ٹھیک نہیں۔''

آج بھی چاروں بھائی کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکے اور محفل بے نتیجہ باتوں کے بعد ختم ہوگئی۔ تیسرے دن وہ پھر جمع ہوئے۔

''خیر! ہم ایسا کرتے ہیں کہ گاؤں میں صرف پرائمری تک تعلیم کا انتظام ہے۔ آگے پڑھنے کے لیے ہمارے بچوں کو دوسرے گاؤں جانا پڑتا ہے۔ یا پھر شہر۔ ہم لوگ گاؤں میں ہائی اسکول کھول لیتے ہیں۔''

''نہیں بھائی یہ بھی مناسب نہیں۔ ارے سرکاری اسکول کو ہی آگے بڑھا کر ہائی اسکول کردیں گے۔ میں ایم ایل اے صاحب سے بات کر چکا ہوں۔ جلد ہی ہمارے گاؤں میں ہائی اسکول شروع ہونے جارہا ہے۔ نہیں سونے کی اینٹ کو اس کام میں لانا بھی ٹھیک نہیں۔''

غرض یہ کہ کسی نے یتیم خانے کی تجویز رکھی تو دوسرے نے فوری طور پر اسے رد کردیا۔ کسی نے اچھے اسپتال کی موجودگی کی طرف اشارہ کر کے اسے رد کردیا۔ کس نے عبادت گاہ کی بات اٹھائی تو دوسرے نے اس کو بھی ٹھکرادیا۔

اس ادھیڑ بن میں کئی دن یوں ہی گزر گئے۔ وہ ہر شام اپنے مرحوم بھائی کے آنگن میں بیٹھتے۔ سونے کی اینٹ اپنے سامنے رکھ کر مشورہ کرنے لگتے اور کسی نتیجے پر پہنچے بغیر اپنے اپنے گھر لوٹ جاتے۔

ایک دن وہ سونے کی اینٹ چوری ہوگئی۔ چاروں بھائی روز کی طرح شام کو جب مرحوم بھائی کے آنگن میں جمع ہوئے اور جب انھیں پتہ چلا کہ سونے کی اینٹ چوری ہوگئی تو بہت پریشان ہوئے۔ چاروں ہی کہنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟

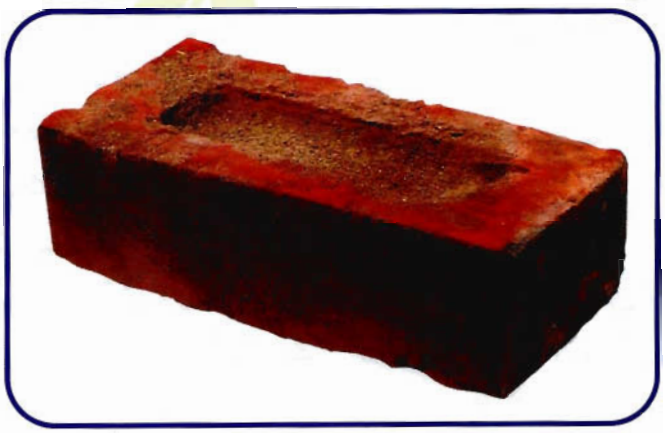

ایک بزرگ جو روزانہ ان کی گفتگو خاموشی سے سنا کرتے تھے ان چاروں کے قریب آئے اور کہنے لگے۔ ''کیوں بھائی کیا بات ہے؟ آپ لوگ کافی پریشان لگ رہے ہیں؟''

انھوں نے اس بزرگ کو بتایا کہ ''ہمارے مرحوم بھائی نے جو سونے اینٹ گاؤں کی بھلائی کے لئے چھوڑی تھی، وہ چوری ہوگئی۔''

اس پر بزرگ نے بڑے اطمینان سے کہا: ''اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے، تم لوگ ایسا کرو کہ کہیں سے ایک مٹی کی اینٹ لے آؤ، اور اسے اپنے سامنے رکھ کر ایسا تصور کرو کہ سونے کی وہی اینٹ تمہارے سامنے موجود ہے اور اپنے فضول کے مشورے جاری رہنے دو کیوں کہ تم لوگ کبھی کسی نتیجے پر پہنچنے والے کہاں ہو؟''

یہ کہہ کر وہ بزرگ تو اپنی کٹیا میں چلے گئے۔ چاروں بھائی بس ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے۔ □

Mr Sahir Kaleem
India Gas Works Sir Sayyad Ahmed Chowk , Sillaud
Distt Aurangabad- 431112 M S

گلشن آرا

سچی خوشی

ایک بادشاہ تھا اس کا نام فیروز شاہ تھا۔ اس کا بیٹا نصرت خان بہت بہادر اور ایماندار تھا۔ شہزادہ کم سنی سے ہی اپنے والد کے ساتھ رہتا، کوئی محفل ہو یا گھڑسواری کی تقریب وہ ہمیشہ اپنے والد کے ساتھ ہی شریک ہوتا۔ کم سنی کے باوجود کھیل کود میں شہزادے کی دل چسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کو پڑھنے لکھنے کا شوق تھا اور اس کے دن کا بیشتر حصہ پڑھنے لکھنے میں ہی صرف ہوتا۔ بچپن سے ہی وہ بڑا ذہین، معاملات کو سمجھنے والا اور منصف مزاج تھا۔

ایک روز شہزادہ اپنے مکتب میں پڑھ رہا تھا کہ اسے زور کی نیند آئی اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ اپنے محل کی طرف چل دیا۔ ابھی وہ راستے میں تھا کہ ایک بوڑھی عورت دہائی دیتی ملی۔ اس نے شہزادے کو بتایا کہ اس کا شوہر اور بیٹا گاؤں سے مال خرید کر سلطانی لشکر میں بیچتے ہیں۔ لیکن اس بار اس کے شوہر اور بیٹے کا تمام مال واسباب ڈاکوؤں نے لوٹ لیا، اور وہ مصیبت کے مارے لٹے پٹے جب شاہی لشکر کے قریب پہنچے تو سپاہیوں نے انھیں جاسوسی کے شبہ میں گرفتار کرلیا ہے۔

''میں بے کس، غریب بڑھیا تم سے انصاف کی درخواست کرتی ہوں میرے بیٹے اور شوہر کو بچالو۔'' ضعیفہ نے التجا کی۔

نیک شہزادے کو اس بوڑھی عورت کا پر درد ماجرا سن کر اسے سپاہیوں کے رویّے پر بے حد افسوس ہوا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر بولا:

''اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس کوئی گواہ ہے جو تمہاری بات کی تصدیق کرے کہ تمہارا بیان سچا ہے۔''

بوڑھی عورت کہنے لگی ''گواہ تو بہت ہیں، لیکن ایسا نہ ہو کہ جب تک انھیں بلا کر لاؤں بہت دیر ہو جائے اور آپ چلے جائیں۔ پھر میرا آپ تک پہنچنا دشوار ہوگا۔''

شہزادہ یہ سن کر مسکرایا اور بولا ''آپ جائیں میں یہیں آپ کا انتظار کرتا ہوں۔'' غرض بوڑھی عورت چلی گئی اور شہزادہ وہیں کھڑا انتظار کرتا رہا۔ کافی دیر اسی طرح ہوگئی۔ دھوپ بھی بڑی شدت کی پھیلی ہوئی تھی۔

نوکروں نے شہزادے سے کہا ''آپ کب سے دھوپ میں کھڑے ہیں۔ کہیں یہ دھوپ آپ کی صحت کے لیے مضر نہ ہو۔ آپ وہاں درخت کے نیچے چھاؤں میں کھڑے ہو جائیں۔''

لیکن اس بات کو شہزادے نے وعدہ کے خلاف سمجھا اور وہیں کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بوڑھی عورت گواہوں کے ہمراہ وہاں آگئی۔ شہزادے نے وہیں کھڑے کھڑے بڑے صبر وتحمل سے ان کی پوری بات سنی اور جب شہزادے کو یقین آگیا کہ ان کی بات سچی ہے تب وہ ان کو اپنے والد کے پاس لے گیا۔ اس وقت بادشاہ سو رہا تھا۔ اس لیے شہزادے کو انتظار کرنا پڑا۔ جب تک بادشاہ بیدار ہوا وہ سبھی انتظار کرتے رہے۔ بادشاہ نے بیدار ہو کر ان سب گواہوں کا بیان سنا اور ان دونوں کی رہائی کا حکم دے دیا۔

اس تمام ماجرے میں شام ہوگئی، شہزادے نے دوپہر کا کھانا بھی شام میں کھایا۔ جب شہزادہ آرام کرنے لیٹا تو اسے ایک سچی خوشی کا احساس ہوا۔ اس نے سوچا اگر وہ دوپہر میں سو جاتا تو کیا اسے یہ لازوال خوشی حاصل ہو سکتی تھی؟ نہیں! کھانے اور سونے سے اسے وہ سچی خوشی حاصل نہ ہوتی جو ایک مظلوم کی مدد کرنے سے حاصل ہوئی تھی۔ □

Ms Gulshan Ara
c/o Md Sultan, A-94 Gandhi Nagar Prince Road
Moradabad-244001

لیو ٹالسٹائی

ترجمہ: یوسف انصاری

لومڑی اور بلّے شاہ

ایک کسان کے پاس ایک بلّا تھا۔ بڑا خوبصورت، تندرست وتوانا جیسے شیر کا بچہ۔ مگر تھا بڑا شریر۔ اس کی شرارتوں سے کسان بے حد پریشان تھا۔ ایک دن اس نے بلّے کو تھیلے میں بند کیا، اور جنگل میں دور چھوڑ آیا۔ کسی نہ کسی صورت سے بلّا آزاد ہوگیا۔ جنگل میں بھٹکتا رہا مگر کوئی راستہ نہ پایا۔ ایک جگہ اسے ٹوٹا ہوا ایک مکان نظر آیا۔ بس اسی میں رہنے لگا۔ جنگل میں چوہوں کی بہتات تھی۔ وہ مزے سے چوہے پکڑتا اوررات کو پیر پھیلا کر آرام سے سو رہتا۔ بعد مدت کے خدا نے یہ دن دکھایا۔ دل کا مدّعا پایا۔ ایک دن وہ چوہوں کی تلاش میں نکلا۔ راستے میں ایک لومڑی ملی، بلّے کو شیر کا بچہ سمجھ کر سہم گئی۔ یہ سوچ کر کہ اس کے ماں باپ بھی کہیں آس پاس ہوں گے۔ کترا کر نکل جانا چاہتی تھی کہ بلّے نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے کڑک کر کہا ''اے! ادھر آ! کہاں جارہی ہے؟''

لومڑی نے کہا ''بس یوں ہی ادھر سے گذر رہی تھی کہ اچانک آپ نظر آ گئے۔ آپ کی تعریف؟'' لومڑی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

ادھر لومڑی کو دیکھ کر بلّا بھی ڈر گیا تھا۔ چبلّا یعنی شریر تو تھا ہی شرارت سے باز نہ آیا اپنے جسم کے بالوں کو کھڑا کر کے غرّا کر بولا ''ہم سائبیریا کے جنگل کے بادشاہ کے صاحبزادے ہیں بلّے شاہ۔ اس جنگل میں حکومت کرنے آئے ہیں۔ سنا ہے تم جانوروں کو بہت ستاتی ہو، اپنی مکاری سب پر جتاتی ہو؟''

اب تو لومڑی سٹ پٹا گئی اور اپنی صفائی پیش کرنے لگی ''جب تک گنگا جمنا میں پانی رہے، حضور کی زندگانی رہے، ضرور کسی دشمن نے میرے خلاف آپ کے کان بھرے ہیں، دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ میرے مکان پر چلیے، کچھ چائے پان کا انتظام کروں۔ آپ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل کروں۔''

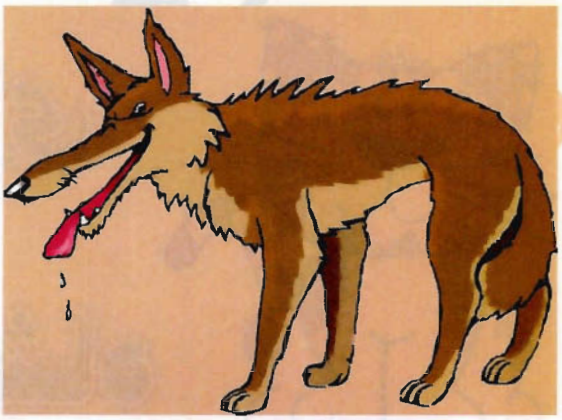

بلّا صبح کا بھوکا تھا، وقت کی ضیافت ہاتھ آئی تو خوش ہوگیا۔ لومڑی کے ساتھ چل پڑا۔ لومڑی بے حد سہمی ہوئی تھی، اور بلّے شاہ کو شیشے میں اتارنے کی ترکیب سوچ رہی تھی۔ گھر پہنچ کر بلّے شاہ کو نرم بستر پر عزت سے بٹھایا، میزبانی کے حقوق ادا کیے، دعوت ختم ہونے کے بعد لومڑی نے کہا ''شہزادے صاحب! جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟''

''بالکل اجازت ہے۔ ہم تم سے بہت خوش ہیں، بے خطر کہو، کیا کہنا ہے۔''

''کیا آپ کی شادی ہوچکی ہے؟'' لومڑی نے ڈرتے ڈرتے بلّے شاہ سے پوچھا۔

''نہیں ابھی نہیں۔ ایک شریک زندگی کی تلاش میں ہوں۔'' بلّے نے اکڑ کر سینہ پھلاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر مجھ سے شادی کر لیجیے۔'' لومڑی کچھ جھجکتے ہوئے بولی، ''زندگی بھر آپ کی خدمت کروں گی۔''

بلّے شاہ نے لومڑی سے شادی کر لی اور دونوں ہنسی خوشی سے رہنے لگے۔ ایک دن لومڑی شکار کے لیے نکلی، بلّا تو آرام سے مکان میں رہتا تھا، سب کچھ لومڑی کو کرنا پڑتا تھا۔ لومڑی نے ایک بطخ کا شکار کیا، اور واپس چل پڑی۔ راستے میں ایک بھیڑیا ملا۔ غرّا کر کہا ''اے فتنی! لا بطخ میرے حوالے کر ورنہ تو جانتی ہے میں کون ہوں۔'' لومڑے بلّے شاہ کی بیوی جو ٹھہری اب وہ کسی سے کیوں ڈرنے لگی۔ بولی ''نہیں دیتی دیکھتی ہوں کیا کرتا ہے۔'' وہ اکڑ کر چلتی رہی، بھیڑیے نے پھر کہا ''آج تیرے تیور بدلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

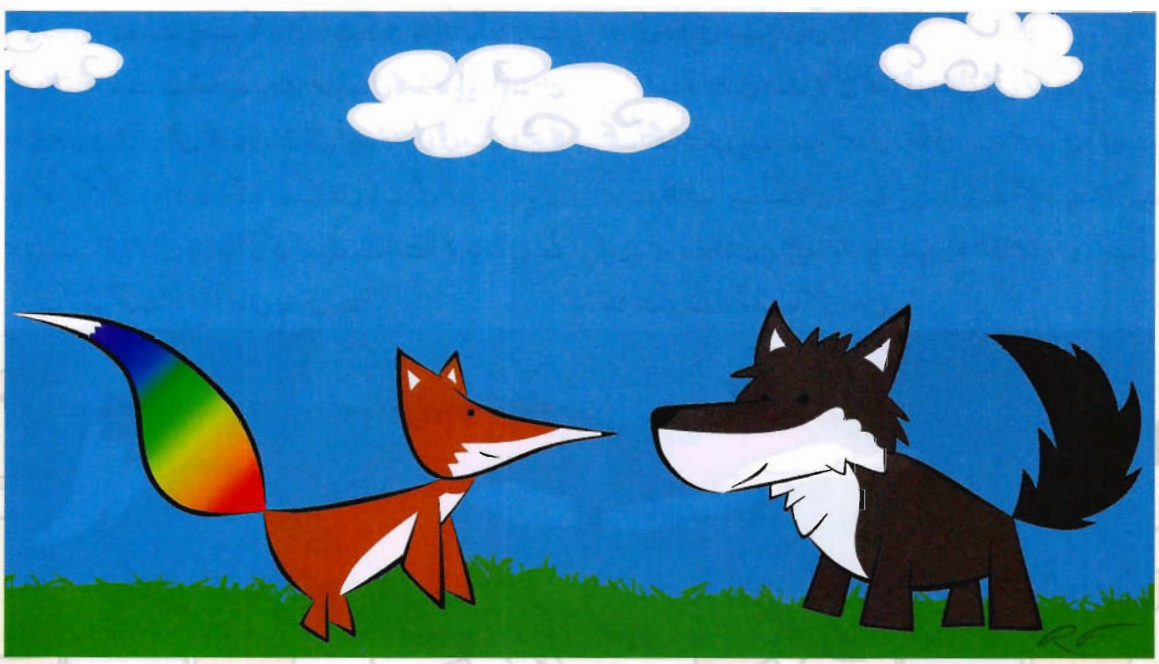

جاتے ہیں۔ لیکن میں تمہاری سفارش کردوں گی۔ ہاں مگر ایسا کیجئے ایک ہرن مار کر لائیے اور بطور تحفہ پیش کیجئے تو شاید تمہاری جان بچ جائے۔ مگر ہاں اپنے آپ کو چھپائے رکھنا۔ دور سے دیدار کر لینا۔ ورنہ ہرن چھوڑ تم کو کھا جائیں گے منہ کا مزہ بدلنے کے لیے! بھیڑیے کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔''

اب تو بھیڑیا بھی تھر تھر کانپنے لگا اور ہرن کی تلاش میں چل کھڑا ہوا۔

لومڑی اپنے گھر کی طرف چلی تو ایک بھالو ملا۔ بولا ''اے لومڑی! وہ بطخ لیے کدھر جا رہی ہے، لا مجھے دے، میں اس کی قدر کرنا خوب جانتا ہوں۔''

''خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ یہاں سے کھسک جاؤ، ورنہ اس جنگل کے حاکم سے شکایت کردوں گی، تو وہ بری طرح تمہاری نہیں دے گی تو چھین لوں گا۔''

اس پر لومڑی نے اترا کر کہا ''میں بِلّے شاہ سے تیری شکایت کروں گی۔''

''بِلّے شاہ! یہ کون ذات شریف ہیں؟''

''سائبیریا کے جنگل کے بادشاہ کے صاحب زادے، ہمارے نئے حاکم، پہلے تو میں ایک معمولی سی لومڑی تھی لیکن اب بِلّے شاہ کی بیوی ہوں۔ اس جنگل کی ملکہ عالیہ۔ میری شان میں کوئی گستاخی نہ ہونے پائے ورنہ بِلّے شاہ! ہاں۔''

''یہ خبر تو میں نے آج ہی سنی۔ کیا میں اپنے شہزادے صاحب سے مل سکتا ہوں؟'' بھیڑیے نے چونک کر کہا۔

''وہ بڑے گرم مزاج کے ہیں، ہر ایرے غیرے نتھو خیرے سے نہیں ملتے۔ جو سامنے جاتا ہے، ہڑپ کر

خبر لیں گے۔'' لومڑی بولی۔

''کون ہے اس جنگل کا حاکم؟'' بھالو نے پوچھا۔

''سائبیریا کے جنگل کے بادشاہ کے صاحبزادے، بلّے شاہ اور میں بلّے شاہ کی بیوی، اس جنگل کی رانی ہوں۔'' لومڑی نے ذرا تن کر کہا۔

بھالو ڈر گیا۔ پوچھا ''کیا میں بلّے شاہ کو دیکھ نہیں سکتا؟''

''ارے توبہ کرو، وہ بہت غصہ ور اور تنک مزاج ہیں۔ مگر ہاں! ایک صورت یہ ہے کوئی جانور شکار کرو اور بطور تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرو تو میں تمہاری سفارش کروں گی۔ مگر ایک بات کی گرہ باندھ لو، ان کے سامنے ہرگز نہ آنا، ورنہ وہ تمہیں ہی کھا جائیں گے۔ بھالو کا گوشت وہ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ کہیں سے چھپ کر ان کا دیدار کر لینا۔''

بھالو بھی شکار کی تلاش میں چل پڑا۔

لومڑی اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئی، دوسرے دن بھیڑیا ایک ہرن مار کر لایا، اور کھڑا سوچ ہی رہا تھا بلّے شاہ کا دیدار کیسے ہو؟ اتنے میں بھالو بھی ایک بکرا مار کر لے آیا۔

''آداب عرض! بھائی جان'' بھالو نے کہا۔

''خوش رہو بھائی! کہو، اس طرف کیسے آنا ہوا؟''

''کیا آپ نے لومڑی اور اس کے شوہر بلّے شاہ کو دیکھا ہے؟ سنا ہے وہ ہمارے نئے حاکم ہیں۔''

''میں نے بھی یہی سنا ہے ان کا انتظار کر رہا ہوں۔''

▲ دنیا بھر میں مشہور روسی ادیب لیو ٹالسٹائی اپنے پوتے پوتی کو کہانی سناتے ہوئے۔ ٹالسٹائی نے بچوں کے لیے جو کہانیاں لکھیں انھیں عالمی ادب میں بڑا مقام دیا گیا ہے۔ مگر افسوس اردو کے بہت سے بڑے ادیب بچوں کے لیے کہانیاں لکھنے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ **اعزازی مدیر**

بھیڑیے نے کہا۔

''ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔ کہیں چھپ کر ان کا دیدار کر لینا۔ اچھا جایئے، انھیں بلا کر لایئے۔''

''نہیں بھائی! میں نہیں، تم ہی جاؤ۔'' بھیڑیے نے کہا۔

''آپ کے ہوتے ہوئے میری کیا مجال جو اپنے حاکم کے سامنے جاؤں۔ میرا جسم کتنا بے ڈول ہے۔ جسم پر کتنے بدنما بال ہیں، اور آج تو میں نہایا بھی نہیں، اپنے حاکم کے سامنے اس طرح جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

اتنے میں ایک خرگوش نمودار ہوا، بھالو اور بھیڑیا دونوں خوش ہوگئے۔ بھالو نے کہا ''آیئے برخوردار! ننّی خرگوش! کس طرف جانے کا ارادہ ہے؟''

خرگوش رک گیا تو بھیڑیے نے گرہ لگائی ''تم تو تیز دوڑنے میں ماہر ہو، ہمارا ایک کام کر دو تو بڑی مہربانی ہوگی، لومڑی اور بلّے شاہ کے مکان تک جاؤ اور خبر کر دو کہ ہم دونوں اپنے تحفے سمیت یہاں منتظر ہیں۔ اس تحفے میں تمہارا بھی حصہ ہوگا۔''

خرگوش روانہ ہوا۔ ادھر بھالو اور بھیڑیا چھپنے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگے، کیونکہ لومڑی نے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ بلّے شاہ کے

سے گوشت پر جھپٹ پڑا۔ ہرن کے گوشت کو نوچ نوچ کر کھانے لگا۔ جیسے برسوں سے اس کو گوشت نصیب نہ ہوا ہو۔ لومڑی نے بکرے پر اکتفا کیا۔

بھالو نے کہا ''وہ بہت بڑے تو نہیں مگر بڑے شاہانہ ٹھاٹ ہیں، ہم جیسے چار جانور بھی پورا ہرن نہیں کھا سکتے مگر ایسا لگتا ہے ہمارے بلّے شاہ کئی دن کے بھوکے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ شکار ختم ہونے کے بعد ہم دونوں کو بھی چٹ نہ کر جائیں۔''

بھیڑیا اپنے حاکم کو دیکھنے کے لیے بے چین تھا

بھالو کے آخری جملے نے جلتی پر تیل کا کام کیا وہ سوچنے لگا، بھالو تو مزے سے درخت پر بیٹھا ہے۔ بلّے شاہ پہلے مجھ پر حملہ کر دے گا۔ لہٰذا وہ چپکے سے کھسکنے لگا۔ پتوں میں سرسراہٹ ہوئی تو بلّا سمجھا کوئی چوہا ہے، بس وہ فوراً جھاڑی کی طرف جھپٹا۔ ایک پنجہ مارا تو بھیڑیے کی آنکھ پر پڑا، بھیڑیا سمجھا بلّے شاہ نے اسے دیکھ لیا ہے۔ وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ بھیڑیے کو دیکھ کر بلّا بھی ڈر گیا۔ وہ اپنی جان بچانے کی خاطر درخت پر چڑھ گیا، بھالو گھبرا گیا، سوچ رہا تھا کہ بھیڑیا تو بھاگ گیا، اب وہ میری تلاش میں ہے۔ گھبرا کر وہ کود پڑا، چوٹ تو بہت آئی مگر جان بچانے کے لئے لنگڑاتا ہوا بھاگ نکلا۔

لومڑی نے پکارا ''بھاگو! ورنہ بلّے شاہ ابھی پکڑ کر چٹ کر جائیں گے۔'' دونوں دم دبا کر بھاگے، پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ ان کے حاکم بلّے شاہ کی شکل وصورت کیسی ہے۔

لومڑی اور بلّے شاہ نے ہرن اور بکرے کا گوشت سیر شکم ہو کر کھایا اس کے بعد لومڑی اور بلّے شاہ سے جنگل کے تمام جانور ڈرنے لگے کیونکہ بھالو اور بھیڑیے نے انھیں آنکھوں دیکھا حال سنایا تھا، کسی کو ہمت بھی نہیں ہوئی کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے، لومڑی اور بلّے شاہ آرام سے زندگی گزارنے لگے۔ □

Mr Mohd Yusuf Ansari
368 New Ward Malegaon Nasik Maharashtra-423203

سامنے ہرگز نہ آنا۔

بھالو نے کہا ''میں تو درخت پر چڑھ جاتا ہوں۔''

''اور میں کہاں جاؤں؟ درخت پر چڑھ نہیں سکتا، پیارے بھائی پہلے مجھے کہیں چھپا دو، ورنہ بلّے شاہ پہلے مجھے ہی کھا جائے گا۔''

بھالو نے بھیڑیے کو گھنی جھاڑیوں میں اچھی طرح چھپا دیا اور درخت کی سب سے اونچی شاخ پر جا بیٹھا، ننّی خرگوش نے لومڑی کو خبر کر دی کہ بھیڑیا اور بھالو فلاں جگہ بڑی دیر سے انتظار کر رہے ہیں اور ہاں تحفے بھی لائے ہیں۔''

''اچھا ہم ابھی جاتے ہیں۔'' لومڑی نے کہا پھر بلّے شاہ اور لومڑی شاہانہ لباس پہن کر جنگل کی طرف چل دیے۔ بھالو نے جب اونچی شاخ سے دونوں کو دیکھا تو بولا ''بھائی بھیڑیے! وہ دونوں آ رہے ہیں۔ مگر بلّے شاہ تو ٹھگنے قد کے ہیں، کیا یہی ہمارے حاکم ہیں؟''

اتنی دیر میں دونوں ان کے قریب پہنچ گئے، ہرن اور بکرے کا گوشت دیکھ کر بلّے نے اپنے جسم کے بال کھڑے کیے اور بڑی تیزی

□ راحت رَوش

اور کچھوا سو گیا

پرانی کہانی نیا انجام!

گزرے زمانہ میں جب کچھوے اور خرگوش کی دوڑ ہوئی تھی تو کچھوا جیت گیا تھا۔ بونی نے بھی جو ایک خرگوش تھا، یہ کہانی اپنے بڑوں سے سنی تھی۔ وہ ہر وقت اپنے پُرکھوں کی ہار کا بدلہ لینے کے بارے میں سوچتا رہتا۔ ایک دن وہ قریب کے تالاب میں رہنے والے سونو کچھوے کے پاس گیا اور بولا: ''آؤ بھائی سونو دیکھتے ہیں کون تیز دوڑتا ہے۔'' سونو کو بھی پرانی کہانی معلوم تھی۔ اُس نے سوچا اس مرتبہ پھر خرگوش کو ہرانے کا موقع ملے گا اور میرا نام پھر کتابوں میں چھپ جائے گا۔ وہ فوراً تیار ہوگیا۔

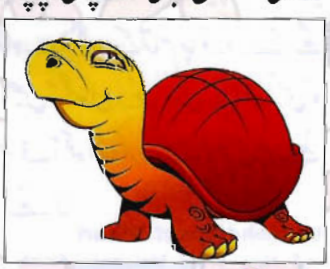

اگلے روز اتوار کو صبح چھ بجے دوڑ کا وقت مقرر ہوا۔ سونو نے ریفری کے طور پر جانی بندر کا نام تجویز کیا۔ بونی نے بھی رضامندی ظاہر کردی۔ دونوں جانی کے پاس پہنچے اور اُس کے سامنے اپنی تجویز رکھی۔ جانی نے بھی ابھی تک اپنے بڑوں سے کچھوے اور خرگوش کی دوڑ کی کہانی سن رکھی تھی۔ اب اُسے خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔ اس لیے وہ بھی خوشی سے تیار ہوگیا۔

سونو کچھوا اگلے دن ہونے والی اپنی جیت کے بارے میں سوچتا رہا۔ رات بھر اُسے نیند نہ آئی۔ آخری شب میں اُسے کچھ نیند آئی۔ صبح پانچ بجے اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے سوچا ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے۔ تھوڑی دیر اور سو لیتا ہوں۔ پھر سوا پانچ بجے آنکھ کھل گئی، اُس نے دیکھا ابھی پینتالیس منٹ باقی ہیں۔ تھوڑی دیر اور سو لیتا ہوں۔ پھر سوا پانچ بجے آنکھ کھلی۔ اُس نے سوچا ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے، پونے چھ بجے اُٹھ جاؤں گا، ریس کے میدان تک پہنچنے میں مشکل سے پندرہ منٹ لگیں گے، جیتنا تو مجھے ہی ہے۔ وہ پھر سو گیا اور سوتا ہی رہ گیا۔

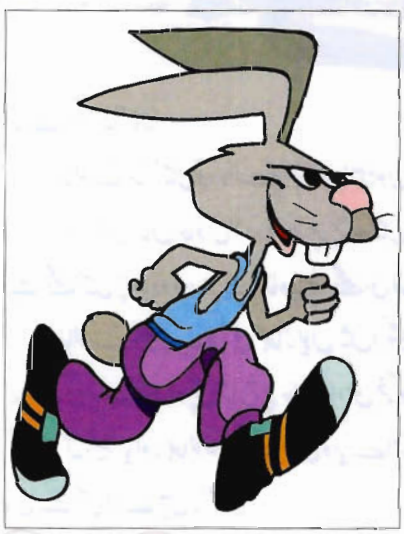

ٹھیک چھ بجے جانی نے جب دوڑ شروع کرنے کے لیے سیٹی بجائی تو وہاں صرف بونی خرگوش تھا۔ سیٹی سے کچھوے سونو کی آنکھ کھلی۔ وہ گھبرا کر اُٹھا اور ساری طاقت لگا کر بھاگتا ہوا میدان میں پہنچا، لیکن ریفری کی سیٹی کے ساتھ ہی بونی وہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔ بونی کو اپنے بزرگ کی غلطی کا علم تھا اس لیے وہ پہلے کی طرح راستے میں سویا نہیں اور جلدی ہی دوڑتا ہوا منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ ریس جیت کر اس نے نہ صرف اپنے پُرکھوں کی ہار کا بدلہ لے لیا جبکہ سونو اس گھمنڈ میں رہا کہ جیسے اُس کے بزرگ نے ریس جیتی تھی وہ بھی جیت جائے گا۔ مگر وہ شاید یہ نہیں جانتا تھا کہ اپنی غلطیوں اور ناکامیوں سے سبق حاصل کرنے والا ہی کامیاب ہوتا ہے جبکہ گھمنڈی کو آخر میں منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ □

◆ راحت رَوش 1235 حویلی حسام الدین حیدر بلیماران دہلی 110006

□ حسن رضا

گرمی آئی گرمی آئی

ہو گیا رخصت موسمِ سرما
آ گیا بچّو موسمِ گرما
ختم ہوئی ٹھنڈ کی بے زاری
کر لو گرمی کی تیّاری
وقت نے لی ایسی انگڑائی
چلنے لگی پھر سے پروائی
سردی کے آثار جو بھاگے
گہری نیند سے پتّے جاگے
بھانے لگے ٹھنڈے مشروب
شربت قلفی ہیں مرغوب
گیلی مٹّی بن گئی دھول
دھوپ کی کرنیں بن گئیں شول
ہر سو ہے اک ہو کا عالم
خوب ہے یہ گرمی کا موسم
دن میں پھیلی ہے ویرانی
دھوپ کی ہے یہ کارستانی
تپتا سورج دھوپ کڑی ہے
کیسی قیامت کی یہ گھڑی ہے
تم سے ہے یہ حسن کا کہنا
پیارے بچّو لو سے بچنا

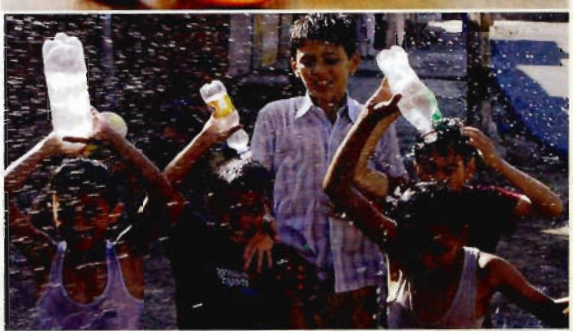

Dr Hasan Raza Mari Pur Muzaffar Pur Bihar - 842001

□ محمد افضل خاں

مولانا رومی اور دس حکایات!

مولانا رومی کا نام محمد ،لقب جلال الدین اورعرفیت مولانائے روم ہے۔ پیدائش 604ہجری یعنی 1208 عیسوی میں خطہ فارس کے اس علاقے کے گاؤں وخش میں ہوئی جو اب تاجکستان میں ہے۔ مولانا روم کا شجرۂ نسب سات واسطوں سے ہوکر خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جاملتا ہے۔ ان کی زندگی میں روحانیت کا انقلاب 642ہجری میں اس وقت آیا جب ان کی عظیم صوفی درویش حضرت شمس تبریزیؒ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، بعد میں انہیں والد نے اپنے قریبی طالب علم دمرید سید برہان الدین محقق ترمذیؒ کے سپرد کردیا جنھوں نے مولانا روم کو دینی علوم وفنون کی تعلیم وتربیت دی۔ والد کے انتقال کے ایک سال بعد 629 ہجری میں مولانا روم حلب اور دمشق تشریف لے گئے اور وہیں برسوں تک علوم وفنون سیکھے۔ قرآن، حدیث، تفسیر، معقول، منطق، فن اور فلسفہ ودوسرے تمام علوم میں اپنی لگن اور محنت سے درجۂ کمال حاصل کیا اور پھر اپنے آبائی وطن لوٹ آئے۔ مولانا رومی کی وفات 5 جمادی الثانی 672 یعنی 17 دسمبر 1273 کو ترکی (سلطنتِ روم) کے شہر کونیا میں ہوئی۔ آپ کی تصانیف میں ایک مثنوی جو مثنوی معنوی بھی کہلاتی ہے کے علاوہ دیوانِ شمس تبریزی، جسے دیوانِ کبیر بھی کہتے ہیں اور فیہہ مافیہہ شامل ہیں۔ مثنوی مولانا روم دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابوں میں شامل ہے۔ یہ بڑی ضخیم کتاب ہے اور اس کی چھ جلدیں ہیں جن میں سے ہر ایک میں 25 ہزار شعر ہیں۔ ان تقریباً ڈیڑھ لاکھ اشعار میں تصوف کے اصول، صوفیوں کے لیے ہدایات کے ساتھ ساتھ قران شریف اور دوسری بہت سی کتابوں سے لیے گئے قصے، کہانیاں بھی شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ قصے یہاں پیش ہیں۔ اعزازی مدیر

ایک دفعہ چینیوں اور رومیوں میں اس بات پر ٹھن گئی کہ ان میں سے کون فن نقاشی میں بڑھ کر ہے۔ بادشاہ وقت نے کہا کہ میں تم دونوں کا امتحان لوں گا اور پھر فیصلہ کروں گا کہ کس کا دعویٰ سچا ہے۔ چینیوں نے کہا بہت بہتر ہم خوب محنت کریں گے۔ رومیوں نے کہا ہم بھی اپنا کمال دکھانے میں اپنی جان لڑادیں گے۔ دونوں فریقوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے دو مکان سنبھال لیں اور ان میں اپنی اپنی نقاشی کا کمال دکھائیں۔

چینیوں نے بادشاہ سے سینکڑوں قسم کے رنگ طلب کیے لیکن رومیوں نے بادشاہ سے کوئی چیز طلب نہ کی اور اپنے مکان کی قلعی کرنے میں مشغول ہوگئے۔ یہاں تک کہ اس کی دیواریں آئینہ بن گئیں۔ ادھر چینیوں نے رنگوں کو ملا کر ایسے نقش ونگار بنائے کہ دیکھ کر عقل چکرا جاتی تھی۔ مقابلہ کے دن بادشاہ پہلے چینیوں کی طرف گیا اور ان کے بنائے ہوئے نقش ونگار کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ پھر وہ رومیوں کی طرف گیا، انہوں نے اپنے کام پر سے پردہ اٹھایا تو چینیوں کے تمام نقش ونگار ان کی صیقل کی ہوئی دیواروں میں منعکس ہوگئے اور ایسا دل آویز منظر پیش کیا کہ آنکھیں اس کو دیکھ کر سیر نہ ہوتی تھیں۔ بادشاہ نے فوراً فیصلہ صادر کردیا کہ رومی چینیوں سے بازی لے گئے ہیں۔

اس لیے اے فرزند رومیوں کی مثال ان باخدا صوفیوں کی سی ہے جو عالم اور ہنرمند تو نہیں لیکن انہوں نے اپنے سینوں کو لالچ، حرص، بخل اور کینہ کے زنگ سے پاک کرلیا ہے۔ یہاں تک کہ آئینہ کی سی صفائی ان کے دل میں آگئی ہے جس میں جلال الٰہی منعکس ہوجاتا ہے۔

نحوی اور ملاح

ایک نحوی عالم یعنی گرامر کا ماہر کشتی میں سوار ہوا اور کشتی کے ملاح سے مخاطب ہوکر کہنے لگا ''تو نے کچھ نحو (گرامر) پڑھی ہے؟'' اس نے کہا، ''نہیں!'' نحوی نے کہا تو پھر تیری آدھی عمر برباد گئی۔ کشتی بان کو اس کی بات پر بڑا تاؤ آیا لیکن اس وقت چپ ہورہا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں ہوا کے جھکڑ نے کشتی کو بھنور میں ڈال دیا اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ ملاح نے بلند آواز میں نحوی سے کہا، ''حضرت آپ کچھ تیرنا بھی جانتے ہیں۔'' اس نے کہا ''نہیں، مجھ سے تیراک ہونے کی امید نہ رکھو۔'' ملاح نے کہا ''تو نحوی صاحب پھر آپ کی ساری عمر ضائع ہوگئی۔ کیوں کہ کشتی اب بھنور میں ڈوبنے والی ہے!'' حاصلِ کلام یہ ہے کہ کسی کو اپنے علم اور مہارت پر بلاوجہ غرور نہیں کرنا چاہئے۔

شیر، بھیڑیا اور لومڑی

ایک دفعہ شیر، بھیڑیا اور لومڑی مل کر شکار کو نکلے۔ اگرچہ شیر کو انھیں ساتھ لے کر چلتے ہوئے شرم آتی تھی۔ پھر بھی اس نے انھیں کو ساتھ آنے کی اجازت دے دی۔ ان کو شکار میں نیل گائے، جنگلی بکرا اور خرگوش ہاتھ آئے۔ وہ شکار کو گھسیٹ کر پہاڑ سے میدان میں لائے اور اپنے دانت تیز کرنے لگے۔ بھیڑیے اور لومڑی کے دل میں طمع پیدا ہوئی کہ شکار میں ان کو بھی پورا حصہ ملنا چاہئے۔ شیر ان کی نیت کو تاڑ گیا لیکن خاموش رہا اور دل میں کہا کہ اے کمینو! تم نے عطائے شاہی پر بھروسہ نہیں کیا۔ دیکھو اب میں تم کو کیسی سزا دیتا ہوں۔ پہلے اس نے بھیڑیے سے مخاطب ہوکر کہا۔ تو اس شکار کو انصاف سے تقسیم کر۔

بھیڑیے نے کہا۔ اے بادشاہ نیل گائے تیرا حصہ ہے۔ کیوں کہ تو بھی بڑا ہے اور نیل گائے بھی۔ بکرا میرا حصہ ہے کہ یہ درمیانے درجے کا شکار ہے اور خرگوش لومڑی کے لائق ہے۔ شیر نے یہ سن کر کہا کہ ''اے کمینے کتے! میرے آگے تیری کیا ہستی ہے جو تو نے تیرا اور میرا کہہ کر حصے تقسیم کیے۔'' پھر اسے آگے بلایا، جب وہ سامنے آیا تو اس کے منہ پر اس نے اس زور سے پنجہ مارا کہ وہ فوراً مر گیا۔

پھر اس نے لومڑی کو حکم دیا کہ اب تو شکار کر تقسیم کر، لومڑی پہلے تو کورنش بجالائی اور پھر نہایت ادب سے عرض کی کہ عالی جاہ یہ موٹی نیل گائے حضور کے صبح کے ناشتے کے لیے ہے اور یہ بکرا دوپہر کی یخنی کے لیے۔ رہا یہ خرگوش تو یہ حضور شام کو تناول فرمائیں۔

شیر بہت خوش ہوا اور اس نے پوچھا کہ اے معزز لومڑی تو نے یہ منصفانہ تقسیم کس سے سیکھی۔ اس نے عرض کی جہاں پناہ اس بھیڑیے سے۔ شیر نے کہا جب تو نے ہمارے لئے اپنی ذات مٹادی تو یہ تینوں شکار تو ہی لے جا، جب تو ہی ہماری ہوگئی تو ہم بھی تیرے ہیں، اب چاہے تو آسمان پر اڑتی پھرے!

ثابت ہوا، عقل مند وہ ہے جو دوستوں و عزیزوں کی موت اور لوگوں کے مصائب سے عبرت حاصل کرے۔

خیال کا ہلال

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ لوگ رمضان المبارک کا چاند دیکھ رہے تھے۔ اچانک ایک شخص نے چلا کر کہا کہ اے عمر دیکھو چاند وہ سامنے نظر آرہا ہے۔

حضرت عمرؓ نے آسمان پر کافی نظر دوڑائی لیکن ان کو چاند نظر نہ آیا اور نہ اس شخص کے سوا دوسرا کوئی آدمی چاند دیکھنے میں کامیاب ہوا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اس شخص سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ بھائی

میری نظر کافی تیز ہے لیکن مجھ کو چاند کہیں نظر نہیں آیا تم ذرا اپنا ہاتھ ترکر کے آنکھوں اور بھنوؤں پر پھیرو اور پھر آسمان پر نظر دوڑاؤ۔

اس شخص نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی تو پھر اس کو چاند نظر نہ آیا کہنے لگا امیر المومنین اب تو چاند غائب ہوگیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ یہ تیرے خیال کا ہلال تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ تیرے ابرو کا ایک بال ٹیڑھا ہوکر تیری آنکھوں کے سامنے آگیا تھا تو نے اس کو چاند سمجھ لیا!

مطلب یہ کہ اگر ایک ٹیڑھا بال آسمان کا پردہ بن سکتا ہے تو جب تیرے سارے حواس ٹیڑھے ہو جائیں گے تب کیا ہوگا؟

سانپ کی چوری

ایک چور نے کسی سپیرے کا سانپ چرالیا۔ وہ اس مال غنیمت کے ملنے پر بڑا خوش تھا۔ لیکن سانپ نے چور کو ڈس لیا اور وہ اس کے زہر سے تڑپ کر مرگیا۔ سپیرا سانپ کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھر رہا تھا کہ چور کی لاش پر نظر پڑی۔ اس کو دیکھ کر وہ بے اختیار سجدۂ شکر میں گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں تو دعا کر رہا تھا کہ مجھ کو چور مل جائے تو اپنا سانپ واپس لے لوں لیکن شکر ہے کہ میری دعا رد ہوگئی۔ سانپ کی چوری کو میں اپنا نقصان سمجھ رہا تھا لیکن حقیقت میں وہ میرے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ دنیا کی کئی چیزوں کو ہم اپنے لئے فائدہ مند سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ہمارے لئے نقصاندہ ہوتی ہیں۔

شاہی باز اور بڑھیا

ایک دفعہ ایک بادشاہ کا باز شاہی محل سے اُڑ کر ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں چلا گیا۔ بڑھیا اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور پھر اس کو پکڑ کر کہنے لگی کہ اے خوبصورت پرندے تو کس نااہل کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ ہائے اس نے تیری قدر نہ جانی۔ تیرے ناخن اور پر کس قدر لمبے ہوگئے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے باز کے پر اور ناخن کاٹ ڈالے۔

جاہل گو تجھ سے دوستی جتائے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ بالآخر تجھے تکلیف ہی دے گا!

اتنے میں بادشاہ بھی باز کو ڈھونڈتا آگیا۔ اس نے باز کا یہ حال دیکھا تو بے اختیار رو دیا اور کہا کہ تیری بے وفائی کی سزا ہے۔

جو شخص کسی جاہل کی صحبت اختیار کرے گا۔ اس کا وہی حال ہوگا جو اس باز کا ہوا۔ بے زبان باز نے اپنے پر بادشاہ کے ہاتھ پر ملے اور کہا کہ مجھ سے خطا ہوئی اب اگر تو نہ بخشے تو پھر میں کس کے دروازہ پر جاؤں؟ میں نے اب توبہ کرلی ہے اگر تیرا لطف وکرم میرے شامل حال ہو جائے تو ناخنوں اور پروں کے بغیر بھی میں شاہباز ہوں۔ باز کی پشیمانی اور گریہ وزاری کو دیکھ کر بادشاہ کا کرم جوش میں آگیا اور اس نے باز کو پھر اپنا محبوب بنالیا۔

انگور پر جھگڑا

مختلف شہروں کے رہنے والے چار آدمی اتفاق سے ایک جگہ جمع ہوگئے۔ ان میں ایک ایرانی دوسرا ترک، تیسرا رومی اور چوتھا عرب تھا۔ کسی نے انھیں ایک دِرہم دیا جسے خرچ کرنے پر ان میں تکرار ہوگئی۔ ایرانی نے کہا۔ آؤ اس دِرہم کے انگور خرید لیں اور مل کر کھائیں۔ عرب نے کہا معاذ اللہ ہرگز نہیں میں تو 'عنب' کھانا پسند کروں گا۔ ترک نے کہا اے خردماغ میں تو عنب نہیں لوں گا۔ میں 'اوزم' کھاؤں گا۔ رومی بولا۔ تمہارے انگور، عنب اور اوزم بھاڑ میں جائیں میں صرف 'استافیل' کھاؤں گا۔ اگرچہ وہ چاروں ایک ہی چیز کھانا چاہتے تھے لیکن ایک دوسرے کی زبان نہ جاننے کی وجہ سے آپس میں الجھ پڑے۔ ان کا جھگڑا جاری تھا کہ کئی زبانیں جاننے والا ایک عقل مند وہاں آگیا۔ اس نے ان سے وہ دِرہم لیا اور بازار سے انگور خرید کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے حیرانی اور مسرّت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر آپس میں بغلگیر ہوگئے۔

لوگو وہ ہمارے زمانے کا سلیمانؑ ہے جو ہم کو نااتفاقی اور اگلی

امتوں کے انجام سے ڈرا کر متحد کردے۔

اللہ تعالیٰ کی عیادت

ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو وحی ہوئی کہ اے موسیٰؑ ہم نے اپنے لطف وکرم سے تجھے اتنے بلند درجات عطا کیے ہیں لیکن تو میری عیادت کو نہ آیا! حضرت موسیٰؑ نے عرض کی کہ اے مالک دو جہاں تیری ذات تو ہر قسم کے نقصان سے پاک ہے۔

بارگاہ الٰہی سے پھر حکم آیا کہ میں بیمار ہوں لیکن تو نے مجھے پوچھا تک نہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کی کہ بارالٰہی تیری ذات ہر قسم کی بیماری سے پاک ہے۔ تیرے حکم سے میری عقل چکرا گئی ہے ازراہ بندہ پروری اس گتھی کو سلجھا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ میرا ایک خاص بندہ بیمار ہوگیا ہے۔ اس کی معذوری میری معذوری ہے۔ اس کی بیماری میری بیماری ہے اور اس کی عیادت میری عیادت ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس کے خاص (محبوب) بندوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے۔

ہمت اور ہتھیار بے

ایک شخص جسم پر ہتھیار سجائے عمدہ گھوڑے پر سوار جنگل میں جارہا تھا وہ دیکھنے میں بڑا ہیبت ناک اور جنگجو معلوم ہوتا تھا۔ ایک تیرانداز نے اس کو آتے دیکھا تو ڈر کر اپنی کمان کھینچ لی۔ سوار نے دیکھا کہ وہ تیر کی زد میں ہے تو زور سے چلایا کہ بھائی تم مجھ کو خواہ مخواہ مارے ڈالتے ہو۔ میرے ڈیل ڈول پر نہ جاؤ کہ لڑنے میں تو میں ایک بڑھیا سے بھی کم ہمت ہوں۔ تیرانداز نے کہا تو نے بہت اچھا کیا جو اپنی حقیقت بروقت ظاہر کردی ورنہ میں اپنی جان بچانے کے لیے ضرور تجھ پر تیر چلاتا۔

بہت سے لوگوں کو ان کی ہتھیار بندی نے مروا دیا جو ہمت مردانہ کے بغیر ہاتھ میں تلوار لے کر نکلتے تھے۔ بے شک تم بہادروں کے ہتھیار پہن لو لیکن تم میں ان کے چلانے کی ہمت اور اہلیت نہیں ہے تو یوں سمجھو کہ یہ ہتھیار بندی تمہاری جان لے لے گی۔

گائے ،اونٹ اور مینڈھا

ایک دفعہ ایک گائے، اونٹ اور مینڈھا اکٹھے کہیں جارہے تھے راستے میں انھیں گھاس کا ایک گٹھا پڑا ملا۔ مینڈھے نے کہا کہ اگر اس کو تین حصوں میں تقسیم کرلیں تو ہم میں سے کسی کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم میں سے جس کی عمر سب سے زیادہ ہو وہی اس کو کھالے۔ کیوں کہ رسول اکرمؐ کا کہنا ہے کہ بڑوں کو چھوٹوں پر مقدم رکھنا چاہیے۔ اب اے دوستو تم دونوں اپنی اپنی عمر بتاؤ تاکہ معلوم ہوجائے کہ ہم میں سب سے بوڑھا کون ہے۔ گائے اور اونٹ نے مینڈھے سے کہا کہ پہلے تو اپنی عمر بتا۔ مینڈھے نے کہا میں حضرت اسماعیلؑ کے زمانے کا ہوں اور اس چراگاہ میں چرا کرتا تھا جہاں انھیں ذبح کرنے کو کے لایا گیا تھا۔ اس سے میری عمر کا اندازہ کرلو۔ گائے نے کہا تو پھر میں تم سے عمر میں بڑی ہوں۔ کیوں کہ میں تو اس جوڑی میں سے ایک ہوں جس کو حضرت آدمؑ نے سب سے پہلے جوتا تھا۔

اونٹ نے جب ان کی یہ لایعنی باتیں سنی تو چپکے سے گردن جھکائی اور گھاس کے گٹھے کو ہڑپ کرگیا اور کہنے لگا کہ مجھے اپنی پیدائش کا زمانہ یاد رکھنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ میرا جسم اور گردن کافی بڑی ہے اور یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تم سے کبھی چھوٹا نہیں ہوسکتا۔" □

Md Afzal Khan
27/4,Srinath poral Lane.Howra-711101WB

نور آفاق وانمباڑی

تعلیم

بچو، تعلیم نام ہے میرا
خوب صورت نظام ہے میرا

آج میری بڑی ضرورت ہے
مجھ سے ہر آدمی کی عزت ہے

میری ہر بات ہے قرینے کی
میں بتاتی ہوں راہ جینے کی

میرے دم سے ہیں صنعتیں ساری
ہر طرف فیض ہے مرا جاری

بند رہتی ہوں میں کتابوں میں
تم مجھے پاؤگے نصابوں میں

مجھ سے جو لوگ فیض پاتے ہیں
وہ بڑی دولتیں کماتے ہیں

مجھ سے گھبراؤ اب نہ شرماؤ
سیدھے اسکول تم چلے آؤ

نیک باتیں تمہیں سکھاؤں گی
اور انساں تمہیں بناؤں گی

Noor Afaq Wanambari 2/153 OP Street Jafrabad Post Maniam Badi, Vellore- 635 752

■ ادارہ

خیر دارم وخیر خواہم، واضح یاد کہ 'بچوں کی دنیا' نے بچوں کی دنیا میں ہلچل مچادی ہے کیونکہ اس کے مشمولات بچوں کے لئے پسندیدہ ہوتے ہیں۔ خیر طلب، خادم ادب، خاکسار

مختار ٹونکی، کالی پلٹن روڈ، پل محمد خان ٹونک راجستھان

شمارہ بڑی تگ و دو کے بعد ہاتھ آیا، یقین جانیے بالکل بچہ کی طرح اچھل پڑا، بالکل ایسے جیسے کوئی بچہ کسی کھلونے کے لیے بڑی دیر سے مچل رہا ہو اور وہی کھلونا اس کے ہاتھ آجائے۔ دیر آئے درست آئے۔ مصداق نہایت دیدہ زیب، خوبصورت اور نہایت معیاری تخلیقات لیے ہوئے 'بچوں کی دنیا' اسم با مسمّیٰ پرچہ ہے۔ جس میں بچوں کی خوشی ان کی دلچسپی، ان کی ضرورت کے مطابق وہ سب کچھ ہے جو بچے چاہتے ہیں۔ بہترین طباعت عمدہ کاغذ بچوں کو اپنی طرف کھینچنے والی تصاویر سے مزین یہ رسالہ بے حد پسند آیا۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی زبان وادب کے لیے اور بچوں اور بڑوں کے لیے گراں قدر خدمات کا اعتراف سبھی کرتے ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' برِصغیر میں ہی نہیں اردو کی نئی بستیوں میں بھی دھوم مچائے گا۔ انشاءاللہ!

رحیم رضا، رضا منزل، کھرنی پورا بیاول ضلع، جلگاؤں مہاراشٹر

سب سے پہلے تو 'بچوں کی دنیا' کو خوبصورت اور رنگین بنانے کے لیے مبارکباد قبول کیجیے۔ بچوں کے ادب کو آپ نے جو وقار بخشا ہے وہ آپ کی مدیرانہ صلاحیتوں کا غماز ہے۔ رسالے کے گیٹ اپ تزئین وآرائش دیکھ کر جوان بوڑھے بھی بچے بننے لگے ہیں۔

بابو آر کے قاصد پورہ، اچل پور شہر ضلع امراوتی مہاراشٹر۔ 444802

رضا لائبریری میں بک فیئر لگا قومی اردو کونسل کا اسٹال بھی لگا تھا، کچھ کتابیں خریدیں اور ساتھ میں بچوں کا ماہنامہ رسالہ 'بچوں کی دنیا' بھی۔ آپ لوگوں نے واقعی کمال کر دیا ہے۔ ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اردو میں بھی ایسا خوبصورت رسالہ شائع ہوسکتا ہے۔ آپ نے واقعی اپنا مرید بنالیا ہے۔ اب تو یہ دل چاہتا ہے کہ سارے تحقیقی کام چھوڑ کر صرف بچوں کے لیے لکھا جائے۔ اردو کی ترقی کے لیے رسائل کے علاوہ بھی آپ حضرات جو کام کر رہے ہیں ان کو تاریخ کے سنہری دور کی شکل میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ کپل سبل صاحب، وسیم بریلوی صاحب، عبدالحئ صاحب، نصرت ظہیر صاحب، مرکزی سرکار، دہلی سرکار اور آپ کا پورا عملہ مبارک باد کا مستحق ہے۔ وہ لوگ بھی قابل ستائش ہیں جو کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے ایک ایک صفحہ کو سجانے اور سنوارنے میں اپنی ساری صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہیں۔ محنت اور وقت صرف کرتے ہیں، ہر چیز کو پڑھ کر اس کے حسب حال تصاویر مہیا کرتے ہیں۔ رسالہ میں نہ تو کسی ترمیم کی گنجائش ہے اور نہ مشورہ کی۔ ماشاءاللہ رسالہ پوری طرح مکمل ہے۔

ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں غوث منزل، تالاب مولا رام پور۔ 244901

مجھے اچھی طرح یاد ہے یوسف دہلوی کے ادارہ سے 'کھلونا' ماہنامہ نکلتا تھا۔ یہ اس وقت کا اپنے آپ میں منفرد مقام رکھنے والا رسالہ تھا جو تقریباً تیس برس قبل کسی وجہ سے بند ہوگیا۔ عرصہ بعد ایک خوبصورت اور جاذب نظر، پسندیدہ اور ایک الگ شناخت والا ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، وزارت ترقی

انسانی وسائل، محلّہ اعلیٰ تعلیم ،حکومت ہند، نے شائع کرنے کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ مجھے رسالہ کی جہاں ساری باتیں اپنے آپ ہی مقام رکھنے والی نظر آئی وہیں یہ بھی دیکھنے کو ملا کہ آپ نے غیر جانب داری کے اصول کا بے باک اظہار بھی کیا ہے جس کی مثال معلوماتی مقالہ 'جین دھرم' کا شائع کرنا ہے۔تمام مشمولات اپنی اپنی جگہ پر مستحکم ہیں۔ اردو دنیا کا مطالعہ تو میں تواتر سے کرتا ہی رہتا ہوں مگر اب یہ رسالہ بھی لگتا ہے ضرورت میں شمار ہوگیا ہے۔سرورق اور دیگر تصویروں کے نیچے نام اور جگہ ضرور دیا کریں۔

جمال ندوی 'دارالکریم' خلیل پورا، پھلواری شریف پٹنہ۔801505

خدا آپ کو اور اردو دنیا نیز بچوں کی دنیا کی پوری ٹیم کو ہمیشہ بہ خیر وعافیت رکھے۔ آمین۔ آپ لوگوں کی اردو نوازی، اردو دوستی اور خدمت اردو بہت بہت تعریف کے قابل ہے، داد وتحسین کے قابل ہے اور لائق رشک ہے۔ دلفریب و دل نشیں رسالہ، بچوں کی دنیا دیکھا بہت خوشی ہوئی اس میں اپنی نظم دیکھ کر مزید خوشی کا احساس ہوا۔ میں نے یہ نظم تقریباً دو سال قبل ارسال کی تھی۔ تاخیر کے باعث میں نے فون پر رابطہ کیا تو پتہ چلا کہ میری نظم کہیں کھو گئی ہے۔ مجھے دوبارہ ارسال کرنے کی مودبانہ ہدایت کی گئی مگر یہ عمل میری تساہلی کی نذر ہوگیا۔ یہ نظم میں نے اس وقت بھیجی تھی جب معروف بہاری صحافی مرحوم رضوان احمد صاحب کا اردو دنیا نے ایک گوشہ شائع کیا تھا بیک کور پر ان کی تصویر بھی شائع کی تھی جو بہت اچھی تھی۔ بات غالباً جولائی 2011 کی ہے۔اس وقت اردو دنیا کا سائز قدرے چھوٹا ہوا کرتا تھا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ کتنی ذمہ داری کے ساتھ آپ کا ادارہ کسی کی تخلیق کو محفوظ رکھتا ہے اور اسے اس کا مناسب مقام عطا کرتا ہے میں اس کے لیے آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔تخلیقات سے متعلق ایسی ایسی تصویریں آپ لوگ پیش کرتے ہیں کہ ہر آدمی کا جی خوش ہوجاتا ہے۔کسی کو خوش کرنے کے لیے کافی محنت اور دماغ سوزی کی ضرورت پڑتی ہے جو آپ لوگ بصد خلوص کرتے ہیں۔

محمد شکیل خاں شکیل سہسرامی پٹنہ، بہار

'بچوں کی دنیا' کے کئی شمارے نظر سے گذر کر دل کی گہرائیوں میں ایک رنگ، ایک آہنگ اور خوشبو کی طرح سما گئے۔ایسا دیدہ زیب ظاہری اور معنوی ہزار خوبیوں سے سجا سنورا بچوں کا رسالہ دیکھ کر روح جھوم اٹھی۔ سچ کہوں تو میرے پاس اس کی خوبیوں کے بیان کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ کیا کیا سامان ہیں نظر کے لیے، کیا کیا سامان ہیں قلب وروح کے لیے۔ ہندوستان سے ایسا خوبصورت اور بہترین کہے جانے کا مستحق بچوں کا رسالہ پہلی مرتبہ منصۂ شہود پر آیا ہے۔

شاد اعظمی ندوی

'بچوں کی دنیا' باصرہ نواز ہوگا۔ اتنا دلکش رسالہ نکالنے کے لیے مبارکباد قبول فرمائیں۔ بچے تو اس سے فیض یاب ہوں گے ہی بڑوں کے لیے بھی اس میں بہت کچھ مواد موجود ہے۔ خاص طور سے مختلف مہینے واقعات کے آئینے میں بہت اچھی پیش کش ہے۔ نظمیں بھی بہت خوب ہیں، اور دیگر کہانیاں بہت مزیدار اور معلوماتی ہیں۔ تمام مضامین کے مصنفین کو ہماری جانب سے مبارکباد۔

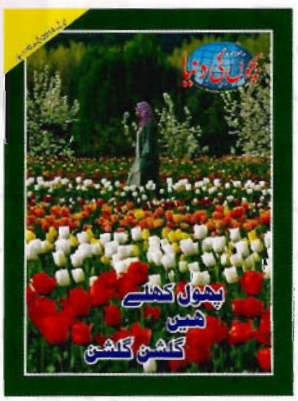

محمد واثق ندیم، آرکوٹ

یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' نئے سنگ میل قائم کر سکا ہے۔ ہم جیسے لوگ جنہوں نے اپنے بچپن میں 'کھلونا' سے اردو لکھنا پڑھنا سیکھا تھا مایوس ہوگئے تھے کہ بھلا اب ایسا رسالہ کہاں نکلے گا جو بچوں کے ذہنوں کی 'کھلونا' کے طرز پر آبیاری کر سکے۔ مگر سچ بات یہ ہے کہ آپ نے یہ کارنامہ کر دکھایا۔ آج یہ دیکھ کر بڑا اطمینان اور سکون مل رہا ہے کہ آپ نے نئی نسل کو دراصل 'کھلونا' سے بھی اچھا دلچسپ، معلوماتی اور دیدہ زیب ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کی صورت میں فراہم کر دیا ہے۔ یقیناً یہ آپ کے جذبہ کامل، محنت اور لگن کا نتیجہ ہے۔

رضا جعفری 178/50، مقبرہ گولا گنج لکھنؤ۔18

□ مہدی پرتاپ گڑھی

بلّی کا بچّہ

صبح صبح بلی کا بچہ
بھاگ رہا تھا خوف زدہ تھا
اس کے پیچھے لگے تھے کتے
زور زور سے بھونک رہے تھے
مارے ڈر کے چھوٹا بچہ
اک نالی میں جا کے گرا تھا
کتے آکر ٹھہر گئے تھے
کھڑے کھڑے کچھ سوچ رہے تھے
اتنے میں اک لڑکا آیا
سن بارہ تیرہ تھا جس کا
ہاکی اٹھائی انھیں ڈرایا
وہاں سے بھاگا ایک اک کتا
بلی کے بچے کو نکالا
پانی سے باہر لے آیا

بچہ کیچڑ میں ڈوبا تھا
سردی سے وہ کانپ رہا تھا
لے آیا اس کو اپنے گھر
صاف کیا لڑکے نے کیچڑ
اس کو آگ کے پاس بٹھایا
اس کا بھیگا بدن سکھایا
گرمی نے دی نئی زندگی
آخر اس نے انگڑائی لی
پاؤں پہ لڑکے کے جا لیٹا
جیسے ادا کرتا ہو شکریہ
بے زباں بلی کا بچہ
لڑکے کا ممنون بہت تھا
رحم کریں ہم مجبوروں پر
کھلے گا ہم پہ رحمت کا در

Mehdi Pratap Garhi 28 School Ward Pratap Garh - 230001 UP

□ اظہر حیدری

زندگی ہے پتنگ

سانس کی ڈور پر تنی ہے پتنگ
گویا انساں کی زندگی ہے پتنگ
جب تلک ڈور سے بندھی ہے پتنگ
آسمانوں میں اڑ رہی ہے پتنگ
ڈور ٹوٹی تو کھیل ختم ترا
ڈور ہی تیری زندگی ہے پتنگ
ہے دو رنگی ترنگی اور چوسر
مختلف رنگوں سے سجی ہے پتنگ
رخ ہوائیں جدھر جدھر بدلے
بس اسی سمت اڑ رہی ہے پتنگ
سارے بچوں کی ہیں ادھر نظریں
جہاں آپس میں لڑ رہی ہے پتنگ
دیکھیے کس کے ہاتھ آتی ہے
کٹ کے نیچے جو گر رہی ہے پتنگ
سیکڑوں بچے دوڑتے ہیں مگر
خوش ہے وہ جس کو مل گئی ہے پتنگ
کسی بچے کو مل گیا مانجھا
کسی بچے نے لوٹ لی ہے پتنگ
بعض اوقات یہ بھی دیکھا ہے
چھینا جھپٹی میں پھٹ گئی ہے پتنگ
رہ گئے بچے ہاتھ مل مل کر
پیڑ پر جب بھی پھنس گئی ہے پتنگ

Mr Azhar Haideri Azad Nagar Near Dragon Palace , New Kampty Distt Nagpur-441002 MS

□ رجب علی بیگ سرور

3

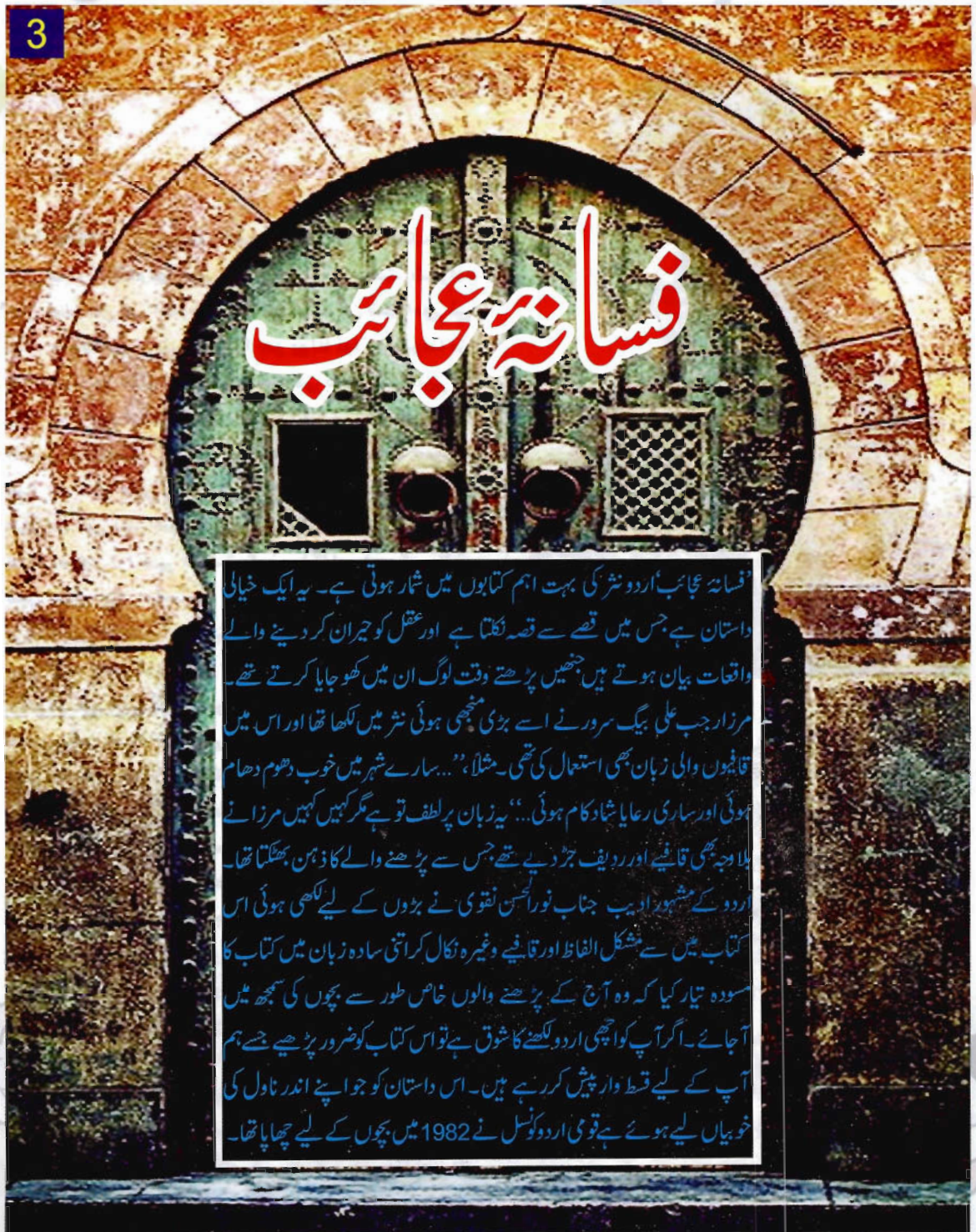

فسانۂ عجائب

'فسانۂ عجائب' اردو نثر کی بہت اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ ایک خیالی داستان ہے جس میں قصے سے قصہ نکلتا ہے اور عقل کو حیران کر دینے والے واقعات بیان ہوتے ہیں جنھیں پڑھتے وقت لوگ ان میں کھو جایا کرتے تھے۔ مرزا رجب علی بیگ سرور نے اسے بڑی منجھی ہوئی نثر میں لکھا تھا اور اس میں قافیوں والی زبان بھی استعمال کی تھی۔ مثلاً، ''...سارے شہر میں خوب دھوم دھام ہوئی اور ساری رعایا شاد کام ہوئی...'' یہ زبان پر لطف تو ہے مگر کہیں کہیں مرزا نے بلا وجہ بھی قافیے اور ردیف جڑ دیے تھے جس سے پڑھنے والے کا ذہن بھٹکتا تھا۔ اردو کے مشہور ادیب جناب نور الحسن نقوی نے بڑوں کے لیے لکھی ہوئی اس کتاب میں سے مشکل الفاظ اور قافیے وغیرہ نکال کر اتنی سادہ زبان میں کتاب کا مسودہ تیار کیا کہ وہ آج کے پڑھنے والوں خاص طور سے بچوں کی سمجھ میں آجائے۔ اگر آپ کو اچھی اردو لکھنے کا شوق ہے تو اس کتاب کو ضرور پڑھیے جسے ہم آپ کے لیے قسط وار پیش کر رہے ہیں۔ اس داستان کو جو اپنے اندر ناول کی خوبیاں لیے ہوئے ہے قومی اردو کونسل نے 1982 میں بچوں کے لیے چھاپا تھا۔

اس داستان میں شہزادہ جان عالم اور ملک زر نگار کی شہزادی انجمن آرا کی محبت کا قصہ بنیادی قصہ ہے جس میں سے کئی اور دل چسپ قصے اور پھر ان میں سے بھی کئی قصے پھوٹ نکلتے ہیں۔ جس زمانے میں یہ داستانیں لکھی گئیں وہ فرصت کا زمانہ تھا اور لوگوں کے پاس انہیں پڑھنے سننے کے لیے خوب وقت ہوتا تھا۔

اب تک آپ نے پڑھا : کسی زمانے میں، ملک ختن میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام تھا فیروز بخت۔ شہزادہ جان عالم اس کی اکلوتی اولاد تھا۔ ایک دن شہزادے نے ایک طوطا باز ر سے خریدا جو بولتا تھا۔ یہ طوطا بڑا عقل مند اور عالم تھا۔ وہ دنیا بھر کی باتیں شہزادے کو بتایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے ملک زرنگار کی ملکہ انجمن آرا کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ اتنی خوب صورت ہے کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔نو جوان شہزادہ اس بیان سے اتنا متاثر ہوا کہ بنا دیکھے ہی ملکہ انجمن آرا سے محبت کرنے لگا اور اس کی تلاش میں نکل پڑا۔ راستے میں اسے طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ایک مقام پر وہ اپنی غلطی سے ایک جادوگرنی کے جال میں پھنس گیا جو شہپال جادوگر کی بیٹی تھی اسے اپنے محل میں لے گئی اور کہنے لگی کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ لیکن شہزادہ جان عالم نے انکار کردیا اور اس کی طلسمی قید سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔آخروہ جادوگرنی کے طلسم توڑ کر قید سے نکل آیا۔ راستے میں اسے ملکہ مہر نگار اپنی خواصوں کے ساتھ ملی اور اپنے گھر لے گئی۔ ملکہ نے جان عالم کا پورا قصہ سن کر اپنے والد سے ملا یا جو بادشاہت چھوڑ عبادت گزار فقیر بن چکے تھے۔ انھوں نے جان عالم کو بہت سی دعائیں دیں ایک ایک لوح بھی دی جو دراصل اسمائے الٰہی کا ایک تعویذ تھی اور جادو توڑنے کا اثر رکھتی تھی۔ملکہ مہر نگار اوراس کے بزرگ والد سے رخصت ہو کر جان عالم ، انجمن آرا سے ملنے کے لیے اس کے ملک زرنگار کی طرف چل پڑا۔اس بار قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

اب آگے پڑھیے :

شہزادے کا ملک زرنگار میں پہنچنا

وہ ملک جس کا نام زرنگار تھا ملکہ مہر نگار کے باغ سے چالیس منزل کے فاصلے پر تھا۔شہزادے نے اس زمین پر قدم رکھا تو اس طرح کہ پیروں میں چھالے تھے اور ہونٹوں پر آہ و نالے تھے۔ چالیس منزل کا یہ سفر کئی مہینوں میں طے ہوا تھا مگر سفر کی تکلیفوں نے شہزادے کو نڈھال کر دیا تھا۔اب، جو دوست کی نگری میں پہنچا تو جان میں جان آئی۔ جو جو پتے طوطے نے بتائے تھے وہ سب اس علاقے میں پائے۔ چاروں طرف شادابی تھی۔ ہر سمت میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی چشمے بہتے تھے۔ جنگل ہرے بھرے تھے۔ ہر طرف انوکھی بہار تھی۔ ہوا خوشبوئیں بکھیر رہی تھیں۔ جان عالم تیز تیز قدم اٹھاتا منزل کی طرف چلا جاتا تھا۔

ایک روز چار گھڑی دن رہے کیا دیکھتا ہے کہ شمال کی طرف کوئی چیز سورج کی طرح چمک رہی ہے کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی۔ عقل حیران ہوئی،

دل نے کہا ہو نہ ہو قیامت نزدیک آئی کہ سورج مشرق کو چھوڑ شمال سے نکلا۔ انجمن آرا کو دیکھنے کی امید جاتی رہی کہ اب قیامت آئی تو نہ ہم ہوں گے نہ وہ اور نہ یہ دنیا کا کارخانہ۔ قریب گیا تو پتہ چلا کہ دروازہ ہے، نہایت عالی شان اور آسمان سے باتیں کرتا ہوا۔ اس پر سونے کا کام ہو رہا تھا اور اس پر اس کثرت سے لعل و یاقوت جڑے تھے کہ نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ اس سے ایسی شعاعیں (کرنیں) پھوٹتی تھیں کہ سورج کو ماند کرتی تھیں۔ شہزادے کو یقین ہوا کہ اب منزل آ پہنچی اور یہی وہ دروازہ ہے جس کی تلاش میں در بدر آوارہ ہوا۔ خدا کا شکر کیا اور سجدے میں گر پڑا۔

شہزادہ شہر پناہ کے دروازہ میں داخل ہوا۔ در و دیوار کو جگمگاتا پایا۔ اکثر مکان بلور بلکہ یاقوت کے بنے تھے۔ جگہ جگہ لوہے کے برج نظر آئے جن پر بھاری توپیں چڑھی ہوئی تھیں۔ توپوں کے دائیں بائیں جوان گولہ انداز بادلے دگلے پہنے ٹہل رہے تھے۔ زمین و آسمان ان کی ہیبت سے دہل رہے تھے، گلی کوچے صاف تھے۔ دروازے پر پانچ ہزار سوار اور لاکھ پیادوں کی چھاؤنی۔

جان عالم نے ایک سوار سے پوچھا ''بھائی، اس شہر کا کیا نام ہے اور یہاں کا حاکم کون ہے؟'' اس نے غور سے دیکھا کہ ایک جوان ہے خوب صورت مگر سفر کی تکلیفوں سے نڈھال، صورت سے ریاست ٹپکتی ہے۔ ''آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟''

شہزادے نے کہا ''واہ صاحب! یہ خوب ہے سوال کچھ، جواب کچھ۔''

اس نے جواب دیا ''اس ملک کو زرنگار کہتے ہیں۔''

یہ سننا تھا کہ شہزادے کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ دل میں کہا قسمت نے یاوری کی اور آخر منزل پر پہنچا دیا۔ آگے بڑھا اور شہر کو دیکھ کر حیران ہونے لگا۔ ایک سے ایک عمدہ مکان ایک سے ایک بڑھ کر دکان۔ جا بجا نہریں تھیں اور ان میں فوارے چھٹتے تھے۔ دکان ایسے قرینے سے تھیں کہ بزاز کے مقابل بزاز کی اور صراف کے مقابل صراف کی دوکان تھی۔ دکانوں میں طرح طرح کے قیمتی سامان کے ڈھیر لگے تھے۔ خریداروں کی وہ کثرت تھی کی چلنے والوں کے کپڑے پھٹے جاتے تھے۔ جان عالم خدا کی قدرت دیکھ کر عش عش کرتا تھا اور دل میں کہتا تھا

کہ کیا ملک ہے، کیا سلطنت ہے اور کیا شہر و بازار ہے۔ کیسے بیوپاری اور کیسے خریدار ہیں۔ ہر شخص کو آرام و راحت حاصل ہے۔ کیا عمدہ بندوبست ہے۔ جب چوک میں آیا تو پوچھا۔ ''بادشاہ سلامت کی محل سرا کدھر ہے؟'' جواب ملا ''داہنے ہاتھ کو سیدھے چلے جاؤ۔''

بازار طے کر کے جان عالم شاہی عمارتوں کے نزدیک آیا۔ ان عمارتوں کو اور بھی عجیب پایا۔ ایسے محلات کسی بادشاہ نے خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے مگر ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ جو درباری یا ملازم ادھر سے گزرتا سیاہ ماتمی لباس پہنے ہوتا۔ اس کا ماتا ٹھنکا اور پاؤں من من بھر ہو گئے۔ دل میں کہتا تھا خدا خیر کرے برا شگون ہے۔

ذرا دیر میں ہٹو بچو کا شور اٹھا۔ دیکھا ایک پرانا خواجہ سرا، صورت سے نہایت ہوشیار محبوب علی خاں نام، سواری میں سوار آیا مگر وہ بھی سیاہ پوش۔ جان عالم نے بڑھ کے سلام کیا۔ اس نے محبت سے جواب دیا اور حیرت سے شہزادے کو دیکھنے لگا بولا ''واہ واہ کیا خدا کی قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنے ہاتھ سے بنایا ہے، کیا صورت شکل ہے، چہرے سے کیسی ریاست ٹپکتی ہے۔'' پھر شہزادے کو مخاطب کر کے بولا ''اے حسین! کس طرف سے آ کر اس دیار کو رونق بخشی اور اس منحوس شہر میں قدم رکھنے کا کیا سبب ہے؟''

شہزادے نے کہا ''ہم اس شہر اور یہاں کے شہر یار کو دیکھنے کی خواہش دل میں لائے ہیں مگر خدا کے لیے یہ تو بتایئے کہ یہ کس کا ماتم ہے کہ جو ہے سیہ پوش ہے؟''

یہ سن کے خواجہ سرا رو دیا بولا ''اے نوجوان! تو نے سنا ہوگا کہ اس ملک کی شہزادی انجمن آرا تھی جس کے حسن کا دنیا میں کہیں جواب نہ تھا۔ بہت سے شاہ اور شہر یار (بادشاہ) اس سے شادی کے امیدوار تھے۔ کتنوں نے اس کے لیے جانیں دے دیں۔ چار پانچ دن سے ہمارے نصیب ایسے سوئے کہ ایک جادوگر عیار مکار جادو کے زور سے اسے اڑا لے گیا۔''

جان عالم نے جو یہ وحشت ناک خبر سنی تو ہوش و حواس جاتے رہے اور بے ہوش ہو کے زمین پر گرا۔ خواجہ سرا سمجھ گیا کہ یہ بے چارہ محبت کا مارا ہے۔ وہ اپنی نادانی پر پچھتانے لگا کہ ایسی بری خبریوں اچانک سنانی نہ تھی۔ ہر چند گلاب کیوڑہ چھڑکا مگر ہوش نہ آیا۔ شہزادے کو ہوش میں لانے کی ساری تدبیریں بے کار ہوگئیں تو خواجہ سرا پریشان حال بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ ''انجمن آرا کا غم آج پھر تازہ ہوگیا۔''

بادشاہ نے سوال کیا ''کیا بات ہے خیر تو ہے؟''

خواجہ سرا نے بتایا کہ ''کسی ملک کا نہایت حسین شہزادہ انجمن آرا کی محبت میں دیوانہ ہوا ہے اور تخت و تاج سے ہاتھ اٹھا کے یہاں پہنچا ہے۔ میں نے بتایا کہ شہزادی کو ایک جادوگر جادو کے زور سے اٹھا کر لے گیا تو اس کی حالت غیر ہوگئی اور شاید یہ سوچ کر کہ

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
حیف ہے اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

ایک آہ بھری اور بے ہوش ہو کے زمین پر گر پڑا۔ ابھی تک تو ہوش آیا نہیں ہوش میں لانے کی جتنی تدبیریں کیں سب بیکار گئیں۔ خدا جانے جیتا بھی ہے یا مر گیا۔ ایسی سج دھج کا جوان آج تک تو اپنی نظر سے گزرا نہیں۔ اس شہزادے اور شہزادی کو ایک ساتھ دیکھیے تو ایسا لگے کہ دو سورج ایک ساتھ نکلے ہیں۔ آپ اس جوان کو دیکھیں گے تو شہزادی کو بھول جائیں گے۔''

بادشاہ بیٹی کی جدائی میں بے چین تھا۔ سوچا اس نوجوان کو بلا کے دیکھو، اور دو باتیں کرو۔ شاید اسی طرح جی بہلے۔ درباریوں کو حکم دیا کہ ''جلد جاؤ اور جس طرح بن پڑے اس نوجوان کو لے کر آؤ۔''

لوگ دوڑے اور شہزادے کو مردے کی صورت اٹھا لے گئے۔ بادشاہ نے ہاتھ منہ دھلوایا عبیر مشک چھڑکا، منہ میں کیوڑہ ٹپکایا، طرح طرح کی خوشبوئیں سنگھائیں، جب کہیں جان عالم ہوش میں آیا۔ گھبرا کے اٹھ بیٹھا۔ دیکھا کہ پکی عمر کا ایک شخص، چہرے پر بادشاہوں کا جلال، سر پر شاہی تاج جسم میں شاہانہ پوشاک جڑاؤ تخت پر بڑی آن سے بیٹھا ہے۔ چار ہزار غلام کمر میں سنہری ٹپکے باندھے تلواریں کسے خدمت میں حاضر ہیں۔ امیر وزیر درباری سپہ سالار سب ادب سے کھڑے ہیں۔

شہزادہ ادب سے اٹھ کھڑا ہوا اور جھک کر اس طرح آداب بجا لایا جس طرح بادشاہوں کو سلام کیا کرتے ہیں۔ بادشاہ نے گلے لگا کر اپنے پاس بٹھالیا۔ جان عالم پر جب سے بادشاہ کی نظر پڑی تھی وہ اس پر فریفتہ ہوگیا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ ایسا خوب صورت دربار کے ادب آداب سے واقف اور نیک جوان ملا جسے وہ اپنی دمادی میں بلا جھجک قبول کرسکتا تھا تو شہزادی نہ رہی۔ سارے درباری بھی سکتے میں رہے۔ تاج وتخت کا ایسا وارث ہاتھ آئے اور محروم رہ جائے۔

شہزادے کی حالت تو کوئی ایسا ہی سمجھ سکتا ہے جو منزل پہ پہنچ کے ناکام ہوگیا ہو۔

حسرت پہ اس مسافر بے کس کی روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

مگر شریفوں کا یہ طریقہ نہیں کہ مجلس میں آہ وفریاد کریں۔ شہزادہ شرم وحیا کا پتلا تھا، محفلوں کے طور طریقوں سے واقف تھا۔ سینے میں غم کا طوفان اٹھا مگر اس نے سہہ لیا۔ بادشاہ نے نام اور مقام پوچھا، باپ دادا کے بارے میں دریافت کیا، شہزادے نے سارے سوالوں کا ادب سے جواب دیا۔ پھر شہزادی کا حال پوچھا۔

بادشاہ نے فرمایا ''اے عزیز! کیا عرض کروں، مدت سے ایک جادوگر اس فکر میں تھا کہ کسی طرح جادو کے زور سے اڑا لے جائے مگر بس نہ چلتا تھا۔ میں نے خطرے کی بو سونگھ کے نگرانی کا بندوبست بہت سخت کردیا تھا مگر وہ بڑا عیار تھا۔ ایک دن اپنی کوشش میں کامیاب ہوہی گیا۔ اس حادثے کے بعد سے آج تک محل میں نہیں گیا ہوں۔ اب محل محل نہیں رہا، ماتم خانہ بن گیا ہے۔ ہر طرف سے برابر رونے پیٹنے کی آوازیں آتی ہیں۔ کھانا پینا حرام ہے۔''

جان عالم نے سوال کیا ''کیا یہ بھی اندازہ ہے کہ وہ جادوگر شہزادی کو کدھر لے گیا؟''

بادشاہ نے فرمایا ''پانچ کوس تک پتہ چلتا ہے اس کے آگے ایک قلعہ ہے جس کی فصیل آسمان سے باتیں کرتی ہے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اس قلعے میں آگ بھری ہے جو ہر وقت روشن رہتی ہے۔ وہاں کا حال

نہیں کھلتا۔ شاید یہ سب جادو کا کارخانہ ہے۔''

شہزادے نے کہا ''خیر اگر زندگی باقی ہے تو اس جادوگر کو جہنم کی سیر کراتا ہوں اور شہزادی کو صحیح سلامت لے کے آتا ہوں۔ اچھا قبلہ خدا حافظ''

بادشاہ لپٹ گیا کہا ''بابا خدا کے واسطے اس خیال سے باز آ۔ وہ جادو کا کارخانہ ایسا ہے جس کے اندر داخل ہونا ناممکن ہے۔ پھر یہ کہ مجھے تیری جدائی کب گوارہ ہے۔ بیٹی کو تو دھوکے میں کھویا، تجھے جان بوجھ کے آگ میں نہیں جھونکوں گا۔ میں بڑھاپے میں یہ بدنامی مول نہیں لے سکتا، یہ سلطنت حاضر ہے۔ میں تو بوڑھا ہوگیا، اب تو اس پر راج کر، میں اب کسی گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کروں گا۔''

شہزادے نے جواب میں عرض کیا ''یہ راج پاٹ حضور کو مبارک،

رہے۔ مجھے سلطنت ایسی ہی عزیز ہوتی تو خواہ مخواہ اپنا گھر چھوڑ کر کیوں دربدر آوارہ پھرتا۔ خدا کا دیا سبھی کچھ تھا۔ میں شہزادی کی خاطر سفر کی کتنی تکلیفیں برداشت کر کے یہاں تک پہنچا۔ اب یہ طعن سنوں کہ پرائی سلطنت اپنا کے بیٹھ گیا۔ لوگ کہیں گے کہ جادوگر شہزادی کو اٹھا لے گیا، یہ بے غیرت تھا جیتا رہا۔ جس مددگار نے ہزار بلا سے بچا کر یہاں تک زندہ وسالم پہنچایا ہے وہی وہاں سے بھی کامیاب وکامران لا کر پھر آپ سے ملائے گا ورنہ اپنی منحوس صورت ہرگز نہ دکھاؤں گا۔ بے حیائی کے جینے سے مرنا بہتر۔ جب گھر سے چلا تھا تو عقل روکتی تھی۔ پاؤں پڑتی تھی کہ یہ نادانی نہ کر، جان بوجھ کے دوزخ میں نہ پڑ۔ سلطنت سی چیز ہر کسی کو میسر نہیں آتی۔ آرام سے حکومت کر، مگر دل کہتا تھا کہ جسے جی چاہے اس کے بغیر زندگی گزارنا بے کار ہے۔ دولت، عزت، شہرت، سلطنت سب آنی جانی چیزیں ہیں، عقل کہتی تھی، آبرو کا پاس کر، خاندان کے نام پر دھبہ مت لگا، دربدر آوارہ نہ ہو، دل سمجھاتا تھا، یار کے ملنے میں عزت ہے، جنگل جنگل بھٹکنے میں راحت ہے، عقل کہتی تھی شاہی لباس کی نرالی شان ہے، جو اسے پھاڑ پھینکے بڑا ناداں ہے، دل کہتا تھا، عقل دیوانی ہے۔ سب سے اچھا لباس عریانی ہے۔ یہ وہ لباس ہے جو پھٹے نہ خراب ہو، نہ اسے دھونے کی ضرورت نہ رفو کی حاجت، نہ اسے چور لے جائے، نہ کبھی یہ گلے سے جدا ہو نہ کبھی جسم پر بوجھ ہو۔ اس تکرار میں دل کی جیت ہوئی۔ عقل نے مات کھائی۔ ملک زرنگار کی تلاش میں لمبا سفر شروع ہوا۔ ایک پرندہ رہنما ہوا۔ بچپن کا دوست ایک وزیرزادہ تھا وہ تنہائی کا شریک اور سفر کا ساتھی ہوا۔ قافلہ روانہ ہوا مگر بدقسمتی یہ کہ طوطا اڑ گیا۔ ایک دن ہرن کے ملنے سے ساتھی بچھڑ گیا۔ پھر تو تنہائی نے جنگل جنگل بھٹکایا، آخر جادو میں پھنسایا قسمت نے ہمیں رلا کر دشمنوں کو ہنسایا۔ تھوڑی مصیبت اٹھا کے رہائی پائی۔ آخر ملک زرنگار کا راستہ مل گیا۔ مگر سواری چھوٹی اب پیدل چلنا پڑا۔ پھر ایک پریوں کے اکھاڑے میں گزر ہوا۔ وہاں ملکہ مہرنگار فریفتہ ہوئی۔ طرح طرح کے یقین دلا کے اور وعدے کر کے وہاں سے اجازت ملی۔ پھر سفر شروع ہوا۔ آخر ہزار مصیبتیں اٹھا کے اپنی منزل تک پہنچا۔ اب گھر پہنچ کے دھوکا کھانا۔ جان بوجھ کر بھول جانا کہاں تک مناسب ہے۔ مجھے مرنا گوارہ ہے مگر اس خیال سے باز آنا منظور نہیں۔''

یہ خبر محل میں پہنچی کہ ایک شہزادہ انجمن آرا پر شیدا ہوا ہے اور اسے پانے کے لیے بڑی تکلیفیں اٹھا کے یہاں تک پہنچا ہے۔ جب اس نے یہ سنا کہ جادوگر شہزادی کو اٹھا لے گیا اور آگ سے بھرے قلعے میں قید کر دیا تو وہ بھی اس آگ میں کودنے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ انجمن آرا کی ماں نے یہ ماجرا سنا تو محل سرا کے دروازے تک دوڑی چلی آئی۔ خواجہ سرا نے یہ قصہ بادشاہ کو سنایا اور عرض کیا کہ ''جلد شہزادے کو لے کر محل میں تشریف لائیے۔'' بادشاہ شہزادے کو محل میں لے گیا۔ انجمن آرا کی ماں نے بلائیں لیں اور دعائیں دیں۔ سب نے شہزادے کا صدقہ اتارا۔

بادشاہ نے بڑی مشکل سے شہزادے کو اس پر راضی کیا کہ کسی طرح رات گزار لے پھر سفر پر روانہ ہو۔ دسترخوان پر کھانا چنا گیا مگر شہزادے نے انکار کیا لیکن آخر سوچ کر دو چار لقمے لے لیے کہ جب سے انجمن آرا بچھڑی ہے سب کا کھانا پینا حرام ہے شاید میرے بہانے دوسرے بھی کچھ چکھ لیں۔

کھانے سے فارغ ہو کے شہزادہ سونے کے لیے لیٹ گیا مگر نیند کہاں۔ وہ رات تو پہاڑ ہو گئی۔ کسی طرح کاٹے یہ کٹتی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے پو پھٹی اور دن نکلا۔ شہزادہ نماز سے فارغ ہوا۔ کامیابی کے لیے خدا سے دعا کی اور سفر کے لیے آمادہ ہوا۔

رات کو یہ خبر عام ہو گئی تھی کہ کل شہزادہ جادوگر سے ٹکر لینے روانہ ہوگا۔ پہر رات رہے سے دیوان خاص کے دروازے پر بھیڑ تھی

اچانک بادشاہ کی سواری نظر آئی۔ ان کے برابر شہزادہ بیٹھا ہوا تھا۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ لوگ سواری کے ساتھ ساتھ دور تک دوڑتے ہوئے آئے اور برابر شہزادہ کی کامیابی کی دعائیں مانگتے رہے۔ آخر وہ مقام آگیا جہاں سے خطرناک سفر شروع ہوتا تھا۔ شہزادے نے خوشامدیں کرکے اور قسمیں دے دے کے رخصت کیا۔ بادشاہ لاچار ہوکر لوٹا اور قلعے میں داخل ہوگیا مگر خبر رسانوں کی ڈاک بٹھادی کہ پل پل کی خبریں قلعے میں پہنچائی جائیں۔

شہزادے نے تنہا دشتِ پرخطر میں قدم رکھا۔ آگ کا قلعہ سامنے تھا۔ زمین سے آسمان تک لپکتے ہوئے شعلوں اور چٹختے ہوئے انگاروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ شہزادہ دوزخ کے اس نمونے کو غور سے دیکھنے لگا۔ ایک ہرن اس آگ سے نکلا اور اچھل کود کے بعد پھر اسی میں غائب ہوگیا۔ شہزادہ نے بزرگ کی دی ہوئی لوح نکال کے دیکھی۔ اس میں تحریر تھا کہ یہ اسم پڑھ کے ہرن کے تیر مار۔ اگر کامیاب ہوا تو طلسم ٹوٹے گا۔ تیر خطا ہوا تو آپ جان سے جائے گا۔ کوئی راکھ کے سوا پتہ نہ پائے گا۔

شہزادے نے دل میں کہا بسم اللہ۔ اس کام میں دیر نہ کرنی چاہئے۔ کامیاب ہوکے جیے تو جینا ہے ورنہ موت بھلی۔ یا ابھی یہ طلسم ٹوٹ جائے گا یا پھر ہم اس دنیا میں نہ ہوں گے۔ تیر نکال کے کمان سے جوڑ لیا اور نشانہ باندھا، ادھر وہ ہرن آگ سے نکلا ادھر اس نے اسم الٰہی پڑھ کے تیر چھوڑا۔

ایک تو شہزادہ بلا کا نشانہ باز دوسرے خدا کی مدد شامل حال تھی۔ تیر ہرن کے جسم میں ترازو ہوگیا۔ ہرن زمین پہ گرا تو ایک دہشت ناک شور بلند ہوا۔ ہاں ہاں لیجو، گھیر یو، جانے نہ پائے۔ قریب تھا کہ خوف سے دم نکل جائے۔ چاروں طرف غبار بلند ہوا اور رات کی سی تاریکی چھا گئی۔ ذرا دیر میں وہ تاریکی دور ہوئی، سورج نمودار ہوا، نہ آگ رہی نہ قلعہ، دور تک ہموار میدان نظر آتا تھا۔ سامنے جادوگر کی جھلسی ہوئی لاش پڑی تھی۔ کالا بھجنگا ننگا بدن، ہونٹوں سے باہر نکلے زرد زرد دانت دور سے نظر آتے تھے۔ بالوں کی ادھ جلی لٹیں زمین پر بکھری تھیں، گلے میں ہڈیاں اور کھوپڑیوں کا ہار تھا۔ تیر سینے کے پار تھا۔ شہزادہ یہ سماں دیکھ کر خدا کا شکر بجالایا۔ سجدے میں گر پڑا۔ پھر

بہادروں کی طرح آگے بڑھا۔ بادشاہ کے ہرکارے دور کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ فوراً شاہی قلعے کی طرف دوڑے۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر آداب بجالائے اور فتح کی خوش خبری سنائی اور آگ کے قلعے کا جو انجام اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ سب بتایا۔

بادشاہ اور محل کے دوسرے لوگوں کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ بادشاہ نے فتح کی خبر لانے والوں کو انعام سے مالا مال کردیا اور خوش ہوکے فرمایا کہ ''شہزادہ عمل کا پتلا اور عزم کا پکا ہے، وہ جس کام کے ارادے سے روانہ ہوا ہے اس میں انشاءاللہ ضرور کامیاب ہوگا۔''

ادھر شہزادے نے بے خوف اپنا سفر جاری رکھا۔ میدان پرخطر کو پار کرکے وہ اس جگہ جا پہنچا جہاں انجمن آرا قید تھی۔ وہ قلعہ بھی عجیب تھا۔ نہ زمین پر تھا نہ آسمان پر بلکہ ہوا میں لٹکا ہوا تھا۔ یہ قلعہ زمین سے کوئی چار پانچ گز اونچا تھا۔ کمہار کے چاک کی طرح تیزی سے چکر لگا رہا تھا۔ جان عالم نے نزدیک جاکر کچھ پڑھا۔ قلعہ کی گردش تو بند ہوگئی مگر وہ ہوا میں لٹکا رہا۔ اب پتہ چلا کہ ایک قلعہ ہے نہایت شان دار اور جواہر نگار۔ دروازے چار ہیں۔ مگر برج بے شمار، قلعہ کی اونچائی اتنی کہ گردن اٹھا کے دیکھو تو پگڑی پیچھے کو گر پڑے۔ اندر جانے کے سارے راستے بند ہیں۔

جہاں جان عالم کھڑا تھا اس کے نزدیک ہی ایک زمرد کا بنگلہ نظر آیا۔ اس میں سے آواز آئی، ''اے اپنی جان کے دشمن! کیوں موت کے فرشتے کو چھیڑتا ہے اور کیوں زندگی سے منہ پھیرتا ہے۔ مجھے تیرے

حسن وصورت پہ رحم آتا ہے۔ جلد سے جلد یہاں سے چلتا بن۔ یہ تیرا پہلا قصور تھا جیسے تیری شکل وصورت کی وجہ سے ہم نے معاف کیا۔ اگر باز نہ آیا تو اس بے دردی سے قتل کروں گا کہ آسمان تیرے حال پر روئے گا۔ کسی کو تیری خاک کا نشان نہ ملے گا۔ بادشاہ الگ تیرے غم میں جان کھوئے گا۔ جنگل کی خاک تیرے خون سے سرخ ہوجائے گی۔''

شہزادے نے ہنس کر جواب دیا ''او نامراد! تو کیا ہماری خطا معاف کرے گا، خواہ مخواہ بکواس کر کے ہمیں غصہ دلاتا ہے۔ تیرا بڑا بول دو گھڑی میں تیرے آگے آتا ہے اور تو کیا کہوں، انشا اللہ ذرا دیر میں تجھے بھی اس خبیث جادوگر کے پاس بھیجتا ہوں۔''

یہ سن کر وہ جھلایا، اس بدمعاش نے بنگلے سے سر نکالا اور تھوڑے ماش کے دانے پھینکے۔ اس کے ساتھ ہی آسمان زور زور سے چکر کھانے لگا۔ زمین تھرانے لگی۔ اس کے بعد سرسوں میں بنولے اور رائی ملائی۔ پھر طوطا مینا اور لونا چماری کو پکارا اور وہ دانے آسمان کی طرف اچھال دیے۔ ایک دم گہری کالی گھٹا گھر آئی اور شہزادے پر پتھر اور آگ کا مینہ برسنے لگا۔ یہ بھی توڑ کے لیے لوح میں دیکھ دیکھ کے اسمائے الٰہی پڑھتا تھا اور آگے بڑھتا جاتا تھا۔ آگ قریب آتی تو پانی بن کے بہہ جاتی اور پتھر راکھ بن کے بکھر جاتے۔ جادوگر کھسیا کھسیا کے نئی تدبیریں کرتا اور بوکھلا کے نئے حملے کرتا۔

بہت دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ آخر کار شہزادے نے لوح کے خانوں پر نظر دوڑائی ایک خانے میں لکھا تھا ''کسی طرح لوح کو قلعے کی دیوار سے لگادے پھر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھ۔'' شہزادے نے ہمت سے کام لیا، دوڑا اور اچک کر لوح قلعے کی دیوار سے چھوادی۔ قلعے پر ایک دم آفت ٹوٹ پڑی۔ پہلے سے بھی زور سے چکر کھانے لگا اور اس سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں جیسے ایک ہزار توپیں ایک ساتھ چھوٹ رہی ہوں۔ چار گھڑی بعد نہ قلعہ تھا اور نہ مکانات۔ سامنے ایک ریت کا ٹیلہ تھا۔ اس کے گرد سرکنڈے گڑے ہوئے تھے، اور ان پر نیلے نیلے رنگ کا سوت لپٹا ہوا تھا۔ اس میں کچھ پھندے پڑے تھے۔ سرکنڈوں کے پیچھے وہ چاند کی مورت، حور کی صورت پریشان بدحواس بیٹھی تھی۔ کوئی آس نہ پاس۔ جان عالم نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ شہزادی کو اس حالت میں دیکھ کر اس کی حالت غیر ہوگئی۔ جسم کپکپانے لگا اور پاؤں لڑکھڑانے لگے۔

انجمن آرا نے شرما کے سر جھکالیا۔ ''سنبھلو صاحب، یہ کیا کرتے ہو، کچھ پاس لحاظ بھی ہے۔ بے تکلف پاس چلے آئے ہو، کوئی دیکھے گا تو کہے گا دیوانے ہو۔'' شہزادی نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا مگر شہزادے کو ایک نظر دیکھتے ہی اس پر ہزار جی سے فدا ہوگئی۔ ادھر شہزادے کا یہ حال ہوا کہ کھڑے رہنے کی طاقت نہ رہی غش کھا کر گر پڑا۔

انجمن آرا یہ حالت دیکھ کے سمجھ گئی کہ یہ نوجوان بھی ہم پر جان کھوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی بلا سے نہ ڈرا، سر پیچ کے اس خوفناک میدان میں قدم رکھا۔ کوئی اور اس کی طرح ہم پر جان نثار کرنے والا نہ تھا۔ اتنے دن یہاں بے کسی میں گزرے کسی نے آ کے حال نہ پوچھا۔ کون اپنی جان کسی کے لیے جوکھم میں ڈالتا ہے۔

انجمن آرا کی رہائی پر کیسا جشن ہوا اور جان عالم سے اس کی شادی ہوئی یا نہیں یہ پڑھیے اگلی قسط میں!

□ شاداب مینائی

پیغام مومنوں کے لیے رحمتوں کا ہے
رمضان کا مہینہ بڑا برکتوں کا ہے

جس کو نماز روزے کا ارمان ہو گیا
ہر روزہ دار حشر کے دن مسکرائے گا
اس پر خدائے پاک مہر بان ہو گیا
دیدارِ حق جمال نبیؐ کا وہ پائے گا
رمضان آیا قید میں شیطان ہو گیا
دوزخ کی آگ سے اسے روزہ بچائے گا
نازل اسی مہینے میں قرآن ہو گیا
رحمت اسے نوازے گی جنّت میں جائے گا
بے حد عزیز رکھتے تھے رمضان کو رسولؐ
جو روزہ دار ہے وہ یہاں کامیاب ہے
ہوتی ہے اس مہینے میں ہر اک دعا قبول
افطار بھی کرانے کا بے حد ثواب ہے

رمضان کا مہینہ بڑا برکتوں کا ہے
رمضان کا مہینہ بڑا برکتوں کا ہے

اتری ہے اس مہینے میں توریت اور زبور
کرتا ہے روزہ دین میں دنیا میں سرفراز
نازل ہوئی ہے عیسیٰؑ پہ انجیل بھی ضرور
ہے ہم پہ فرض روزہ رکھیں اور پڑھیں نماز
ہاں بے گماں ہے اس میں شبِ قدر کا ظہور
ہر وقت نیک کام کریں بن کے پاک باز
مومن نے اس مہینے میں پایا خدا کا نور
ہر غم زدہ کو کردیں مصیبت سے بے نیاز
واجب ہے ہر امیر پہ صدقہ ادا کرے
مجبور اور غریبوں کی خدمت کیا کریں
دامن گلِ امید سے محتاج کا بھرے
جتنی بھی ہو خدا کی عبادت کیا کریں

رمضان کا مہینہ بڑا برکتوں کا ہے
رمضان کا مہینہ بڑا برکتوں کا ہے

اس ماہ میں ہی پیدا ہوئے غوثِؒ نیک نام
انسان نیکیوں میں ہمیشہ لگا رہے
رمضان کا کیا ہے انھوں نے یہ احترام
دامن گناہ و ظلم سے ہر دم بچا رہے
ہر گز پیا نہ دودھ کبھی دن میں لاکلام
جاری دلوں میں ہر گھڑی حمد و ثنا رہے
بچپن میں ہی حضورؒ نے روزے رکھے تمام
ہر وقت لب پہ ذکرِ حبیبِ خداؐ رہے
روزہ نظر کا نور ہے دل کی امید ہے
رمضان رحمتوں کا مہینہ ہے مومنو
رمضان مومنوں کے لیے گویا عید ہے
اللہ تک پہنچنے کا زینہ ہے مومنو

رمضان کا مہینہ بڑا برکتوں کا ہے
رمضان کا مہینہ بڑا برکتوں کا ہے
پیغام مومنوں کے لیے رحمتوں کا ہے

ظہیر قدسی

انعم کی سائیکل

دل کو چھو لینے والی سچّی کہانی

چھوٹی سی ایک لڑکی انعم ہے نام جس کا
ہر ایک سے جھگڑنا دن رات کام جس کا
ہم جولیاں تھیں اس کی اسکول میں بھی گھر بھی
ایسی دبنگ سب پر تھا رعب اور ڈر بھی
اسکول ہو یا گھر ہو ہم جولیوں میں کھیلے
اور کھیل کھیل میں ہی جھگڑے بھی مول لے لے
بستر کسی کا چھینے، چوٹی کسی کی کھینچے
اپنی شرارتوں کو پھر آنسوؤں سے سینچے
سب کا کھلونا چھینے ضد کرکے اور رو کے
ہمدردیاں سمیٹے منہ آنسوؤں سے دھوکے
ماں، باپ، ٹیچروں سے جو بھی کرے شکایت
ملتے ہی موقع سمجھو آجائے اس کی شامت
اک دن گلی میں انعم سائیکل چلا رہی تھی
کرتب دکھا رہی تھی سب کو چڑھا رہی تھی
اب کیا کہیں کہ کیسی منحوس وہ گھڑی تھی
شامت جو اس کی آئی سائیکل سے گر پڑی تھی
انعم گڑھے کے اندر اور سائیکل تھی اوپر
لنگڑی وہ ہو گئی تھی، اندر گڑھے میں گر کر
سب اسپتال پہنچے فوراً ہی اس کو لے کر
پیروں پہ ڈاکٹر نے لگوادیا پلستر
انعم بچاری بالکل معذور ہوگئی تھی
ایسا چڑھا پلستر مجبور ہوگئی تھی
ایسے میں اس کی ساری ہم جولیوں نے مل کر
دکھ بانٹنے کی کوشش انعم کی ، کی برابر
کوئی اسے کہانی پڑھ کر سنا رہی ہے
کوئی لطیفہ کہہ کر اس کو ہنسا رہی ہے
کوئی کھلا رہی ہے شربت پلا رہی ہے
اک جارہی ہے اٹھ کر تو ایک آرہی ہے
تیمارداری اس کی اس طرح سب نے کی تھی
انعم سے سے پہلے ہی اچھی ہوگئی تھی
صحت کا جشن اس نے اس طرح سے منایا
ساری سہیلیوں کو گھر لنچ پر بلایا
ایک ایک سے معافی پہلے تو اس نے مانگی
نظریں جھکا کے سب سے شرمندہ ہوکے بولی
تم کو ستایا میں نے بدلا لیا خدا نے
میرے کیے کی دے دی مجھ کو سزا خدا نے
ہرگز نہ اب کسی کو چھیڑوں، ستاؤں گی میں
جیسے بھی ہوگا سب کے اب کام آؤں گی میں

اس نظم کے شاعر انعم کے نانا ہیں

Mr Zaheer Qudsi 208 Shaniwar Ward Azad Chowk Malegaon- 423203 MS

یہ مزے مزے کی حکائتیں...

♦ امریکی: ہمارے یہاں 90 فی صد شادیاں ای میل Email سے ہوتی ہیں۔

ہندوستانی: تو کیا ہوا۔ ہمارے یہاں تمام شادیاں فی میل Female سے ہوتی ہیں

محمد واسع بھوکر، ضلع ناندیڑ

♦ اسلم: تنگ مت کرو۔ آج میرا موڈ بہت آف ہے۔

عامر: کبھی تمھارا موڈ آف ہوتا ہے کبھی آن۔ کسی دن تمھارا فیوز نہ اڑ جائے۔

شیخ جنید، اردھاپور

♦ آپ کی چال مور جیسی۔ آواز کوئل جیسی۔ آنکھیں ہرن جیسی۔ کتنا اچھا ہوتا اگر دو تین خوبیاں انسانوں کی بھی ہوتیں!

♦ ایک ایکسیڈنٹ میں مونو زخمی ہو گیا اور رونے لگا۔

مونو: ہائے ہاتھ کٹ گیا۔ بہت درد ہو رہا ہے۔

سونو: چپ بیٹھ! وہ دیکھ اُس آدمی کا گلا کٹ گیا پھر بھی خاموش پڑا ہے۔

سارہ زریں خاں ناگپور

♦ کاغذ اپنی قسمت سے اڑتا ہے، لیکن پتنگ قابلیت سے اڑتی ہے۔ اس لیے قسمت ساتھ دے یا نہ دے قابلیت ضرور ساتھ دیتی ہے۔

اسد جمال، منگرول پیر، واشم

♦ ''رو کیوں رہے ہو؟ اور یہ تمھاری ناک کس نے کاٹ دی؟''

''اُس نے...''

''اُس نے، کس نے؟''

''جس کا کان میری جیب میں ہے''

اعلیٰ مریم، سمستی پور، بہار

♦ ایک صاحب ایک نجومی کو ہاتھ دکھانے پہنچے۔ بہت غور کرنے کے بعد نجومی نے کہا: ''آپ چالیس برس کی عمر تک غریبی سے پریشان رہیں گے۔''

''اس کے بعد کیا ہوگا؟'' ان صاحب نے بے صبری سے پوچھا۔

نجومی نے جواب دیا: ''اس کے بعد آپ کو عادت پڑ جائے گی۔''

♦ امریکہ کی ایک مشہور سڑک پر ٹریفک کے اصول اس طرح لکھے ہوئے تھے:

''گاڑی آہستہ چلائیں اور شہر کی خوب صورتی دیکھیں۔''

یا پھر

''گاڑی کو تیز چلائیں اور شہر کی جیل دیکھیں۔''

♦ ایک وارننگ: سیل فون سے ریڈیشن ہوتا ہے جو دماغ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ لیکن فکر نہ کریں۔ نقصان صرف اسے ہوتا ہے جس کے پاس دماغ ہو۔ آپ کتنے خوش قسمت ہیں۔ نو برین، نو ٹینشن No Brain No Tension

محمد کاشف خورشید احمد مالیگاؤں

♦ ایک کامیاب انسان خوش رہے یا نہ رہے خوش رہنے والا انسان کامیاب ضرور ہوتا ہے۔

شیخ آرش/ عارش

♦ کہتے ہیں 1902 میں سوامی وویکانند کے امتحان میں 15 سوال آئے اور لکھا تھا کوئی بھی دس سوال حل کیجیے۔ سوامی وویکانند نے سبھی

پندرہ سوال حل کر دیے اور لکھا ،کوئی بھی دس سوال جانچ لیجیے۔
اسے کہتے ہیں خود اعتمادی یا Self Confidence!

شیخ شفا

♦ سُنتا: یار ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ مدراس شہر کا نام بدل کر چینئی کیوں رکھا گیا ہے۔
بُنتا: وہاں لوگ لنگی اور تہمد زیادہ پہنتے ہیں جن میں چین نہیں ہوتی۔ اس لیے چینئی نام رکھ دیا۔

محمد زید انصاری محمد علی، دھُلے

♦ ایک پاگل: دنیا میں کل کتنے دیش ہیں؟
دوسرا پاگل: دیش بس ایک ہے۔ باقی سب ودیش ہیں۔

محمد یوسف ریحان، محمد جمیل، ناندیڑ

♦ مونو: پولس کسٹڈی کو حوالات کیوں کہتے ہیں؟
سونو: کیونکہ اس میں قیدی کو صرف 'ہوا' اور 'لات' ملتی ہے۔

یاسمین شیخ عقیل، کے ایچ پارک شواجی نگر جلگاؤں

♦ استاد: الف سے کیا ہوتا ہے؟
شاگرد: الف سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو ہوتا ہے پیسے سے ہوتا ہے۔

♦ باپ: یہ تم قلم کی نوک پر نمک مرچ کیوں لگا رہے ہو؟
بیٹا: ٹیچر نے کہا ہے کوئی چٹ پٹا مضمون لکھ کر لاؤ۔

غازی، ثانیہ انعم، جالنا مہاراشٹر

♦ ماں میری ماں
زندگی کی راہوں میں
کچھ سنگین لمحوں کی زد میں
آتی جاتی خوشیوں اور غم میں
تیری
صرف تیری یاد آتی ہے
ماں میری ماں...

نازیہ قریشی، بھیونڈی

♦ ایک دن سونے نے لوہے سے کہا: ''ہم دونوں ہی لوہے کی ہتھوڑی سے پیٹے جاتے ہیں، مگر تم اتنا زیادہ کیوں چلّاتے ہو؟''
لوہے نے کہا: ''کیونکہ اپنا اپنے کو مارتا ہے تو زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔''

♦ ڈاکٹر عبدالکلام کا قول: ''انتظار کرنے والوں کو صرف اتنا ملتا ہے جتنا کوشش کرنے والوں سے بچ جاتا ہے۔ اس لیے کوشش کرو انتظار نہیں!

♦ ''شادی کرنے اور موبائل فون خریدنے کے بعد بس ایک ہی افسوس

ہوا کرتا ہے!''
''کیا؟''
''یہی کہ تھوڑا رک جاتے تو اور اچھا ماڈل مل جاتا!''

نامعلوم

♦ شاگرد: آپ کتنا پڑھے ہوئے ہیں؟
استاد: بی اے BA تک!
شاگرد: بس دو حرف۔ اور وہ بھی الٹے!

♦ جج: تم نے اس کی جیب میں ہاتھ کیوں ڈالا؟
جیب کترا: جناب مجھے ٹھنڈ لگ رہی تھی، اور اس کی جیب گرم تھی!

♦ مالک: دیکھو، کمرے میں کوئی چور تو نہیں گھسا ہے۔
نوکر: سرکار، رات میں کیا نظر آئے گا۔ صبح دیکھ لیں گے۔

فیض میسی، صوفی پورہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

ادارہ

ننھے فن کار

چونابھٹی، مالیگاؤں کے اسکول کی پانچویں جماعت کے طالب علم مطیع الرحمن نفیس احمد نے ایک سبق آموز قصہ ہمیں لکھ بھیجا ہے۔ آپ بھی پڑھیں:

بادشاہ کی خوش اخلاقی

ہندوستان کے بادشاہوں میں ایک نصیر الدین بادشاہ بھی گزرا ہے، جو بہت ہی نیک اور سادہ دل انسان تھا۔ سرکاری خزانے سے اپنے لیے ایک پیسہ بھی نہ لیتا تھا۔ گزر اوقات کے لیے اس نے خوش نویسی اختیار کی، کلام پاک اور دوسری کتابیں لکھ کر ان کی آمدنی سے اپنے اخراجات پورے کیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی رئیس نصیر الدین بادشاہ سے ملنے آیا۔ آپ نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک کلام پاک دِکھایا۔ رئیس اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا، پھر غور سے ملاحظہ کر کے بولا: اس میں کچھ غلطیاں ہیں ان کو درست فرما لیجیے گا۔ رئیس کی نکالی ہوئی غلطیاں حقیقت میں غلطیاں نہ تھیں، پھر بھی نصیر الدین نے بالکل برا نہ مانا بلکہ مسکرا کر اس کا بہت شکریہ اَدا کیا۔ جن غلطیوں کی اس نے نشان دہی کی تھی ان کے گرد حلقہ لگا بنا دیا تا کہ بعد میں ان کی اصلاح کر دی جائے۔

اس وقت جو لوگ موجود تھے بادشاہ کی خوش اخلاقی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ رئیس کے چلے جانے کے بعد بادشاہ نے سب حلقے مٹا دیے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو بادشاہ نے فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ غلطی کوئی نہیں ہے مگر میں اپنے مہمان کو شرمندہ کرنا یا اس کا دل دکھانا نہیں چاہتا تھا؛ اسی لیے اپنی غلطیوں کا اقرار کر کے ان کے گرد حلقہ

▲فیضان خاں ناصر خاں درجہ 8 اقرا ریزیڈنشیل پبلک اسکول جل گاؤں مہاراشٹر

بنالیا اور اب وہ حلقے مٹا دیے۔

بادشاہ کی خوش اخلاقی سے درباری بہت متاثر ہوئے، وہ حیران تھے کہ اتنے بڑے بادشاہ نے ایک معمولی سے رئیس کی دل جوئی کے لیے اتنے زبردست اخلاق کا مظاہرہ کیا!

ہماری رائے: اکثر قصوں کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ یہ قصہ جو آپ نے پڑھا اس کے دو پہلو ہیں۔ پہلا یہ کہ مہمان کی عزت رکھی گئی۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ مہمان کی لاعلمی جوں کی توں قائم رہی۔ یعنی اس کی عزت تو بڑھی مگر علم نہیں بڑھا۔ مہمان کو عزت دینے کے لحاظ سے بادشاہ نے بہت اچھا کیا کہ اپنے مہمان کا دل نہیں دکھایا۔ لیکن اگر انھوں نے کوئی ایسا طریقہ نکالا ہوتا کہ رئیس کی دل جوئی بھی ہوجاتی اور اس کی کم علمی بھی دور ہوجاتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ **اعزازی مدیر**

شازینہ صدیقی، پوسٹ آفس شاہ پور
بگھونی ضلع سمستی پور۔ بہار ◄

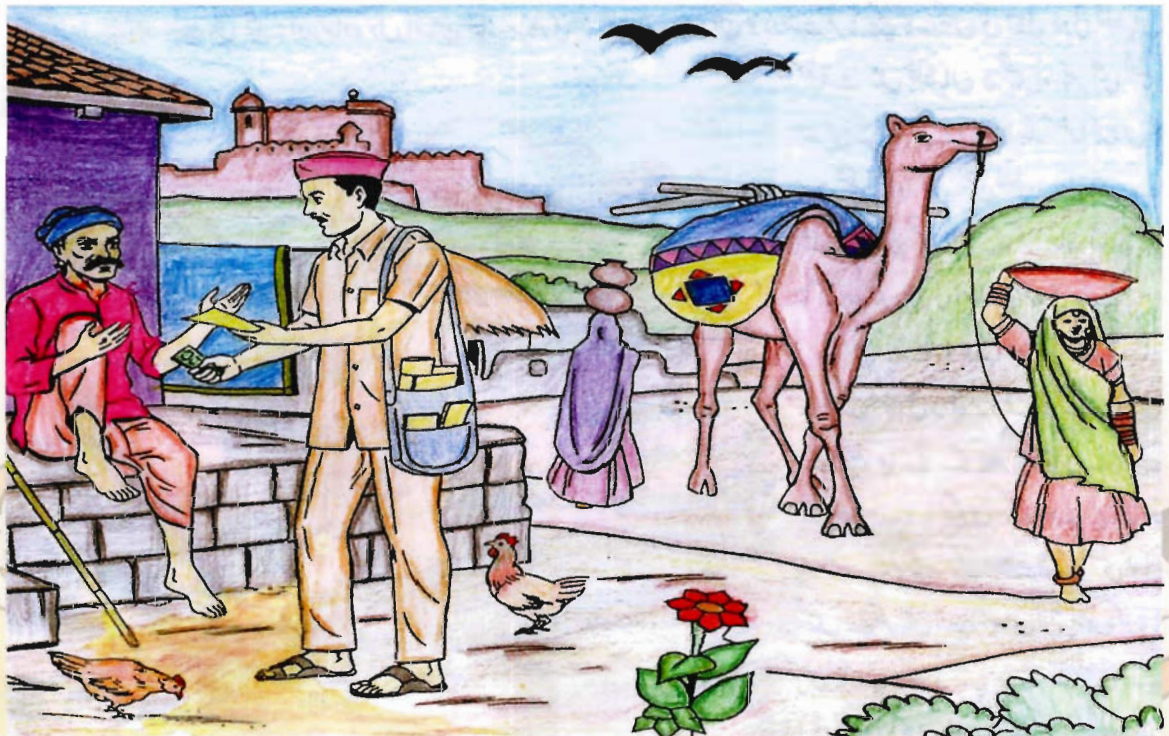

▲ محمد سیف محمد اشفاق درجہ 9 اقرا ریزیڈنشیل پبلک اسکول جل گاؤں مہاراشٹر

□ادارہ

ذہنی آزمائش

نام ڈھونڈیے:

نیچے دیے گئے حروف میں اردو کے ان پندرہ مشہور شاعروں کے نام چھپے ہوئے ہیں جو صرف اپنے تخلص اور شہر کے نام سے مشہور ہیں۔ ہر نمبر کے ساتھ ترتیب وار لکھے ہوئے حروف کو ٹھیک سے جوڑ کر اُن کے نام تلاش کیجیے۔ آپ کی تھوڑی سی مدد یہ ہے کہ ان میں دو شاعروں کے نام پچھلے شمارے کی پہیلی میں بھی تھے۔

1۔ااا ب ج د ر ر گ م ی 2۔آ اا ا ب ب د ک ر ل ہ ی 3۔اا ح د ر
س ل ن و ھ ی ی 4۔ا پ ج ح ر ر س ط ل م ن و و ی 5۔ا ت ح
ر س م ن و ہ ی 6۔ب ر س ل م و ی ی ے 7۔آ ا ب ج ح د ش ل
م و ی ی 8۔ا ر ڈ ص غ گ ن و و ی 9۔ا ح ر ن ن و و ی 10۔اا
ت ح د ر ر ن و ی 11۔آ اا ب د ر ر ظ ک ن ی ی 12۔ا پ
ر ر ر ف ق ک گ و و ھ ی 13۔ا ب ذ ر ر س ن ن ی ی 14۔ت
ت ح ش ک ک ل و و ی 15۔اا ب ب خ ر ر ک م ن و و ہ ی

دس لفظ

اردو میں استعمال ہونے والے ان دس لفظوں کے صحیح معنی تلاش کیجیے:

1۔ اِحتِساب: تسبیح گھمانا/ جانچ پڑتال/ بلبلے بننا/ ایک یونانی دوا

2۔ خِشت: گھاس پھوس/ ڈانٹ ڈپٹ/ اینٹ/ پتھر

3۔ پوستین: موٹا سوتی بنیان/ ریشمی کوٹ/ بال کا کوٹ/ کھال کا کوٹ

4۔ ماحضر: عمدہ کھانا/ بے لذت کھانا/ دسترخوان پر موجود کھانا/ باسی کھانا

5۔ سیّارہ: ہوا میں اڑنے والا جہاز/ خلا میں گردش کرنے والا زمین جیسا

▲اس شمارے کی تصویر

گولا/ سمندر کی سیر کرنے ولا چوپایا/ ملکوں ملکوں گھومنے والا سیّاح

6۔ تلخیص: خلاصہ/ تلخ یعنی کڑوی باتیں/ تفصیل سے بتانا/ خاص الخاص

7۔ کفالت: کنجوسی/ فضول خرچی/ ذمہ داری نبھانا/ فالتو

8۔ جُذام: قبض کی بیماری/ دست کی بیماری/ کوڑھ کی بیماری/ کتابوں کے جز وترتیب وار جوڑنا

9۔ پُستی: پستے کا چھوٹا دانہ/ پستے کی رنگت/ اونچائی/ نیچائی

10۔ غنودگی: نیند/ بے ہوشی/ ہوشیاری/ چالاکی

▲جلدی سے بتائیے۔ یہ کار کھڑی ہے؟ کہیں جا رہی ہے؟ جا رہی ہے تو کدھر جا رہی ہے؟ دائیں، بائیں، آگے یا پیچھے؟ جواب ان ہی صفحوں پر کہیں موجود ہے!

▲ اوپر کی تصویریں ایک جیسی لگتی ہیں مگر دوسری میں 7 فرق ہیں۔ یہ فرق ڈھونڈیے اور ہمارے جواب سے ملایئے۔

◀ کار کہیں نہیں جا رہی ہے تصویر میں کمپیوٹر سے ہیرا پھیری کی گئی ہے!

1۔ کشتی کے ملاّح کی پتوار غائب ہے 2۔ بڑی جھونپڑی کا سوراخ بند ہے 3۔ اس کے پیچھے کا بڑا پتھر پانی میں نہیں ہے 4۔ بڑے پیڑ کی ایک شاخ کم ہے 5۔ پیچھے دائیں سے تیسری جھونپڑی کا روشن دان غائب ہے 6۔ کشتی کے سامنے کی آخری جھونپڑی بھی غائب ہے 7۔ دور پہاڑیوں کا سوکھا پیڑ اب نہیں ہے

اردو شاعر اور ان کے شہر: 1۔ جگر مرادابادی 2۔ اکبر الٰہ آبادی 3۔ ساحر لدھیانوی 4۔ مجروح سلطانپوری 5۔ حسرت موہانی 6۔ وسیم بریلوی 7۔ جوش ملیح آبادی 8۔ اصغر گونڈوی 9۔ نوح ناروی 10۔ راحت اندوری۔ 11۔ نظیر اکبرآبادی 12۔ فراق گورکھپوری 13۔ نذیر بنارسی 14۔ وحشت کلکتوی 15۔ خمار بارہ بنکوی

دس لفظ 1۔ جانچ پڑتال 2۔ اینٹ 3۔ کھال کا کوٹ 4۔ دستر خوان پر موجود کھانا 5۔ خلا میں گردش کرنے والا زمین جیسا گولا 6۔ خلاصہ 7۔ ذمہ داری نبھانا 8۔ کوڑھ کی بیماری 9۔ نیچائی 10۔ نیند۔